لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

ضمیر کی بیداری

تقویٰ: ہر اچھے کام کے کرنے اور بُرائی سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ضمیر کا احساس بیدار اور دل میں خیر و شر کی تمیز کے لئے خلش ہو، یہ تقوٰی ہے،

اخلاص: پھر اس کام کو خدائے واحد کی رضامندی کے سوا ہر غرض و غایت سے پاک رکھا جائے یہ اخلاص ہے،

توکّل: پھر اُس کام کے کرنے میں صرف خدا کی نصرت پر بھروسہ رہے، یہ توکّل ہے،

صبر: اُس کام میں رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں، یا نتیجہ مناسبِ حال برآمد نہ ہو تو دل کو مضبوط رکھا جائے، اور خدا سے آس نہ توڑی جائے، اور اس راہ میں اپنے بُرا چاہنے والوں کا بھی بُرا نہ چاہا جائے، یہ صبر ہے،

شُکر: اور اگر کامیابی کی نعمت ملے تو اُس پر مغرور ہونے کے بجائے اس کو خدا کا فضل و کرم سمجھا جائے، اور جسم و جان و زبان سے اُس کا اقرار کیا جائے اور اس قسم کے کاموں کے کرنے میں اور زیادہ انہماک صرف کیا جائے، یہ شُکر ہے۔

(مولانا سید سلیمان ندوی رحؒ)

۲۵ دسمبر ۱۹۸۱ء
سالانہ چندہ: بیس روپے
فی کاپی، ایک روپیہ

Regd. No. LWNP 56
Phone: 82948 / 83321
TAMEER-E-HAYAT
FORTNIGHTLY
Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تازہ کتاب

تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب

قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کے ادبی شہ پارے

قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کی حکیمانہ دعوت اپنی امتوں اور شاہانِ وقت سے مکالمہ اور گفتگوؤں کے دل آویز و دل کشا نمونے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند خطبات اور انبیاء علیہم السلام کے بعض تربیت یافتہ اصحاب کی دعوت کا انداز، ان سب کا ادبی اور نفسیاتی تجزیہ اور ان سے دعوت الی اللہ اور حکمت ایمانی کے اصول کا استخراج، فہم قرآن، معرفت انبیاء، اور حکمت دعوت کی ایک نئی راہ کھولنے والی کتاب جس کے مطالعہ سے قرآن مجید سے شغف رکھنے والے، اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کسی تعلیم یافتہ مسلمان کو محروم نہیں رہنا چاہیے

آفسیٹ کی خوبصورت طباعت، قیمت دس روپے، مجلد مع گرد پوش

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

اصل عربی خطبات کے مطالعہ کا شوق رکھنے والے روائع من ادب الدعوة فی القرآن والسيرة النبوية، مندرجہ بالا پتہ سے طلب کریں۔
قیمت: Rs. 8/-

شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

قاضی رؤف انجم

مجھ کو آئینہ اسلام دکھا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

کیا چھپاؤں ہے فقط نام مسلماں میرا — کیا بتاؤں کہ ہے کس درجہ پہ ایماں میرا
ہر خرافات سے رنگین ہے داماں میرا — چھوڑتا ہی نہیں پیچھا کبھی شیطاں میرا
میرے ماحول کی مٹی تو اٹھا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

واسطہ علم سے کیا مجھ کو بتاؤ تو سہی — سلسلہ میرا کتابوں سے ملاؤ تو سہی
راستہ مجھ کو ترقی کا سُجھاؤ تو سہی — آئینہ لفظ و معانی کا دکھاؤ تو سہی
مجھ کو اسلاف کے قصے ہی سنا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

میں نے اسکول کی صورت بھی نہ دیکھی ہوگی — میں نے مکتب کی ضرورت بھی نہ سمجھی ہوگی
میں نے استاد کی عظمت بھی نہ جانی ہوگی — مجھ کو تعلیم کی حاجت بھی نہ سوجھی ہوگی
حاجت علم ذرا مجھ کو سمجھا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

پست اغیار کی عظمت نے کیا ہے مجھ کو — خوار اس پیٹ کی شدت نے کیا ہے مجھ کو
مردہ دل کام کی ذلت نے کیا ہے مجھ کو — جاں بلب زہر جہالت نے کیا ہے مجھ کو
اپنی تہذیب کے دو گھونٹ پلا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

اپنی اولاد کو مزدور بنایا میں نے — بے کس و بے بس و مجبور بنایا میں نے
دوڑنے پھرنے سے معذور بنایا میں نے — دین و دنیا سے بہت دور بنایا میں نے
اس اپاہج کو بھی دو گام چلا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

خضر اب کون مرے گاؤں میں آئے یارو — راہ سیدھی جو مجھے آکے دکھائے یارو
درس تہذیب کا اب کون پڑھائے یارو — خواب غفلت سے مجھے کون جگائے یارو
میرے یارو مجھے للہ جگا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

کچھ حرارت ابھی باقی ہے جگر میں میرے — عظمت قوم کا سودا ابھی ہے سر میں میرے
نام بھی سب کے مسلمان ہیں گھر میں میرے — کچھ اثر خیر کا باقی ہے نگر میں میرے
نظم انجم کی بس اک بار سنا کر دیکھو
شہر والو! مجھے دیہات میں آکر دیکھو

لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

زرِ تعاون
اندرونِ ملک ——— بیس روپے
فی پرچہ ——— ایک روپیہ
بیرونِ ملک۔ بحری ڈاک۔ جملہ ممالک ۵ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ
افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ
یورپ و امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

جلد نمبر ۱۸ | ۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء ——— ۲۷ر صفر سنہ ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۱۴

اداریہ

شمس الحق ندوی

اپنے اندر کے چور پر نگاہ رکھیے

ہماری ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم اپنے سے پہلے دوسرے کا جائزہ لیتے ہیں، اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرکے اپنے متعلق تو سو فی صد حسنِ ظن رکھتے ہیں اور دوسروں کے فکر و جائزہ، تنقید بلکہ تنقیص میں اعتدال کی حدود سے بہت آگے نکل جاتے ہیں اپنے متعلق سو فی صد حسنِ ظن دوسروں سے سو فی صد سوءِ ظن، ہمارا یہ اندازِ فکر ہم کو کسی اجتماعی، تعمیری اور مفید کام میں ہمیں جڑنے اور اس کا ایک مفید جزء بننے سے روکتا ہے، ہم تھوڑا سا کرتے ہیں تو بہت نظر آتا ہے اور دوسرا بہت کرتا ہے تو وہ تھوڑا نظر آتا ہے ہم خوش گمان و معترف تو کم بدگمان و عیب جو زیادہ ہوتے ہیں۔

ہمارا یہ مزاج ہم کو بڑا نقصان پہنچا رہا ہے، اس مزاج کے ساتھ ہم کوئی مفید کام نہیں انجام دے سکتے، قرآن کریم نے سوءِ ظن و بدگمانی کی اسی حقیقت سے آگاہ و متنبہ کیا ہے کہ تمہارا یہ مزاج تمہیں گناہ و پاپ میں ڈال دے گا، "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" تم کسی مفروضہ یا سُنی سُنائی بات پر کسی کے متعلق بری رائے نہ قائم کرو، اور اس سے پہلے کہ اس میں کیا کیا عیوب و نقائص ہیں، اس کو دیکھو کہ اس میں کیا کیا خوبیاں اور کمالات ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے کتنا کام لے رہا ہے، یہ مفید و تعمیری طرزِ فکر ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر زور دیتے ہوئے اور اس جذبہ کو سراہتے ہوئے فرمایا:۔

"حسن الظن من حسن العبادة"

(خوش گمانی اچھی عبادت ہے)

اور بدگمانی کے متعلق فرمایا:۔

"ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث"

(تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی بعض فطری کمزوریوں کی بناء پر جب کسی کو کچھ کرتا دیکھتا ہے تو شعوری یا غیر شعوری طور پر حسد یا نفسانیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ حسد پڑھے لکھے اور خاص طور سے علماء، اور اہلِ مدارس اور دینی خدمت انجام دینے والوں میں بہت دبے پاؤں آتا ہے، یہ کبھی حق گوئی و اظہارِ حقیقت کا لباس پہن کر آتا ہے اس میں بڑا دھوکا ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ کلمۂ خیر کہہ رہا ہے، لیکن دراصل یہ حسد یا نفسانیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے صرف سلبی و منفی کام ہوتا ہے کوئی مفید و تعمیری کام نہیں ہوتا۔

اس مزاج یا افتادِ طبع کی بنا پر ہم ہر سُنی سنائی بات یا مفروضہ کو حقیقت بنا کر پیش کرتے ہیں، اور اس کی تشہیر میں ایک عامی سے بھی زیادہ سرگرمِ عمل ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث ہماری نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوتی ہے کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات کو بیان کرتا پھرے۔ کفیٰ بالمرء کذباً أن یحدث بکل ما سمع،

ہم قرآن کریم کی اس آیت کو بھول جاتے ہیں کہ،

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ۔"

(مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے)

اس آیت میں اگرچہ مومنین کو منافقین کی ریشہ دوانیوں سے ہوشیار کیا گیا ہے، مگر اپنی معنویت کے اعتبار سے قرآن کریم کا کوئی زمان و مکان یا افراد و اشخاص کیساتھ مخصوص نہیں ہم اس میں بہت مبتلا ہوتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ وَ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔

ہمیں تو اپنے دشمنوں تک کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم ہے ہم عداوت و دشمنی کی بناء پر ناانصافی ان کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے، مگر نفس کا چور ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے اور وہ سب کچھ کروا ڈالتا ہے جو دشمن کے ساتھ بھی روا نہیں۔

قرآن کا ارشاد ہے:۔

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔"

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs.23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

نیک عمل پر مداومت اور اسمیں جلدی کرنا

مولانا عبدالحی حسنی

آیات

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ۔
(سورۂ حدید آیت ۔ ۱۶)

کیا ابھی مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو (خدائے) برحق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت انکے دل نرم ہو جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر ان پر زمان طویل گذر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا۔
(سورۂ نحل آیت ۔ ۹۲)

اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے تو سوت کاتا پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ۔ (سورۂ حجر آیت ۔ ۹۹)

اور اپنے پروردگار کی عبادت کئے جاؤ، یہانتک کہ تمہاری موت (کا وقت) آجائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اعمال میں اعتدال و استقامت اختیار کرو، . . . . . . یہ سمجھ لو کہ تم میں سے کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں داخل کرے گا، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ عمل پسندیدہ ہے جس پر مداومت برتی جائے چاہے وہ تھوڑا ہو۔ (بخاری)

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں پوچھا کہ عمل کے بارے میں آپ کا کیا معمول رہا کرتا تھا، کیا آپ نے اپنے کچھ معمولات کو دنوں کے ساتھ خاص کر رکھا تھا؟ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو عمل کرتے تھے وہ تم میں کا ہر شخص کر سکتا ہے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ درد و تکلیف یا کسی اور وجہ سے جب آپ کی تہجد کی نماز چھوٹ جاتی تھی تو آپ دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ (مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا اللہ کے نبی! کون سا صدقہ زیادہ موجب اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اس حال میں صدقہ کرو کہ تندرست و توانا ہو، مال کی طمع ہو فقر کا کھٹکا رہتا ہو، مالدار ہونے کی امید لگائے رکھتے ہو، صدقہ کرنے میں لاپرواہی نہ برتو کہ جب موت کا وقت آئے تو وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو دینا، اتنا فلاں کو دینا، اور وہ فلاں ہی کا ہو کے رہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات چیزوں سے پہلے۔ اعمالِ خیر میں جلدی کرو، یا تو ایسے فقر سے دوچار ہونے والے ہو جو سب کچھ بھلا دے گا، یا ایسی مالداری کے منتظر ہو جو تمہیں سرکشی میں ڈال دے گی، یا ایسی بیماری آنے والی ہے جو نکما بنا دے گی، یا عقل و خرد کھو دینے والا بڑھاپا، یا اچانک موت، یا دجال کا انتظار کر رہے ہو جو بدترین شئی ہے، یا قیامت کے منتظر ہو تو قیامت تو بہت ہیبت ناک و ناقابلِ برداشت ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو امیہ شعبانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم اس آیت (عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ) کے بارے میں کیا کہتے ہو تو جواب میں انھوں نے کہا کہ تم نے ایک واقف و باخبر سے اس کا مطلب معلوم کیا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک مشورے کرو اور برائی سے بچو، جب دیکھو کہ لالچ کا دور دورہ ہے اور لوگ خواہشاتِ نفس کے غلام بن چکے ہیں، دنیا کو اولیت حاصل ہے، ہر شخص اپنے خیال و رائے کو سب سے بڑھ کر سمجھتا ہے، تو تم اپنے نفس کی فکر کرو، عوام سے کنارہ کش رہو، تمہیں بڑے ناگفتہ بہ حالات سے واسطہ پڑنے والا ہے، جن میں دین پر صبر و استقامت اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا ہاتھ میں آگ کا انگارہ لینا، اس نازک زمانہ میں دین پر عمل کرنے والے کو اس جیسے پچاس عمل کرنے والے آدمیوں کا اجر ملے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلسِ ادارت
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

کھوئی ہوئی طاقت و توانائی حاصل کرنے کے لیے لحمینہ لیجیے! جسے بارہ سو سے زیادہ دوائیں بنانے والے ہمدرد نے طویل عرصہ کی تحقیق اور تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔

لحمینہ
سرگرم اور پرجوش زندگی گزارنے کے لیے

لحمینہ ان چالیس اجزا کا مرکب ہے جو عضلات اور اعصاب کو نئی قوت و تازگی دیتے اور ان کو صحیح کارکردگی کے لیے متحرک کرتے ہیں۔ آپ کو اگر ایک چست و توانا جسم کی ضرورت ہے تو لحمینہ آزمائیے۔ اسے آپ کامیاب پائیں گے اور نتیجہ میں آپ بھی کامیاب ہوں گے۔

لحمینہ
مردوں اور عورتوں کے لیے کلیدی اعضاء کی قوت

ہمدرد

(اور لوگوں کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے)۔

ہمارا یہ مزاج ہم کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے ہمیں اپنے نفس کے شر اور دھوکے سے کسی آن غافل نہ ہونا چاہیے۔ نفس کا شر بہت چھپ کر اپنا کام کرتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفس کے شر سے برابر پناہ مانگتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من شر نفسی۔

ونعوذ بک من شرور انفسنا۔

اس لیے کہ نفس کا شر، شر کو خیر بنا کر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اسی کی تعبیر اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے ؎

ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

اپنی اس کمزوری کے سبب بسا اوقات ہم بنی بنائی عمارت کو ڈھا دیتے ہیں، اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے بنائی سنواری اور پروان چڑھائی ہوئی چیزوں کو خاک میں ملا دیتے ہیں، اور عرب کی اس بوڑھی عورت کا کردار ادا کرتے ہیں جو محنت و مشقت سے سوت کاتتی، پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی، قرآن کریم نے انسان کے اس تخریبی مزاج کو سامنے رکھ کر اس بڑھیا کے واقعہ کو قرآن کریم میں بیان کر دیا کہ دیکھو تم نہ ایسا کرنا

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا۔

ہمیں تو قوم و ملت کے جسم کا ایک مفید و کارآمد جزء بننے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ اس کے جڑے اور کام میں لگے ہوئے اجزاء کو الگ و منتشر کریں۔

اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہم اپنے کو ذاتی اغراض اور نفس پرستی کی سطح سے اونچا کر لیں۔ ہمارے سامنے حضرت علی رض کا یہ اسوہ ہونا چاہیے کہ آپ نے مد مقابل کافر کو اللہ کی خاطر پچھاڑ دیا اور اس کا کام تمام کرنے ہی والے تھے کہ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا، ایسے میں غصہ کا بڑھ جانا اور آگ بگولا ہو جانا فطری بات تھی آپ غصہ کو پی گئے اور اس کافر کو چھوڑ دیا کہ اگر اب اس کو قتل کروں گا تو اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے نفس کے تقاضہ اور غصہ کی وجہ سے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی پیمانے پر سازشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ اس چیلنج کا تو کیا مقابلہ کرتے، ان حالات سے آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھوں اپنے قلعوں کو مسمار کر رہے ہیں، ہمارا حال اس بد نصیب قوم کا سا ہے جو دشمن کے محاصرہ میں ہے۔ دشمن کے گولے شہر پناہ کو توڑ رہے ہیں، اور شہر کے محافظ لڑ رہے ہیں کہ میسرہ میں کون ہو، میمنہ میں کون، جنرل کون ہو چیف جنرل کون ہو؟ ؎

کس رہے ہیں اپنے منقاروں سے حلقہ جال کا

طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

**

بقیہ صفحہ ٦

تو کیا دونوں تنقید کے معیار پر برابر اتر سکتے ہیں؟ اور کیا عقل کی منطق میں یکساں درجہ حاصل کر سکتے ہیں؟ اور کیا دونوں اپنے انسانی و تہذیبی نتائج میں مساوی ہیں؟

قرآن کا ارشاد ہے:۔

"أفمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا لا یستوون" (السجدہ پ ۲۱)

(بھلا ایک جو ایمان پر ہے برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے؟ نہیں برابر ہوتے)

"قل ھل یستوی الاعمی والبصیر أم ھل تستوی الظلمات والنور"۔

(الرعد پ ۱۳ ۔ ع ۲)

(کہہ دیجئے کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اجالا؟)۔

"قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو أعجبک کثرۃ الخبیث" (مائدہ پ ۷)

(تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اور اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت)۔

"وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء" (فاطر پ ۲۲)

(اور برابر نہیں زندہ اور نہ مردے اللہ سناتا ہے جس کو چاہے)۔

"مثل الفریقین کالاعمی والاصم والبصیر والسمیع ھل یستویان مثلا أفلا تذکرون" (ھود ۔ پ ۱۲)

(مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا۔ کیا برابر ہے دونوں کا حال۔ پھر کیا تم غور نہیں کرتے)۔

محترم قارئین! اشتراکیت اسلام "ربانی" ہے اپنے تقدس میں، "محمدیت" ہے اپنی قیادت میں، "عربیت" ہے اپنی خصوصیات میں، "انسانیت" ہے اپنے رجحان میں، "عالمی" ہے اپنے پیغام میں۔

یہی وجہ ہے کہ اشتراکیت اسلام عرب اور تمام مسلمانوں کے لئے ایک روح پرور پیغام ہے اور جادۂ مستقیم ہے اور کمیونسٹ اشتراکیت ہمارے لئے ذلت و فساد اور تخریب کاری کا پیش خیمہ ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اشتراکیت اسلام کی دعوت و تبلیغ عظیم خدمت انسانی ہے اور ضروری و لابدی ہے غلبۂ قومیت کے لئے۔ اور کمیونسٹ اشتراکیت کی دعوت کھلی ہوئی ملکی خیانت ہے اور قومی جرم اور فسق و فجور ہے۔

**

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

14, Haji Building, S. V. Patel Road,
Nall Bazar, BOMBAY, 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone · 082238. — 378054

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

۱۴ - حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

وہ صحرا نشین

مولانا [illegible] حسنی ندوی

جب مسلمان مدائن فتح کرنے کے لئے دجلہ کے قریب پہونچے تو مدائن کا شہر سامنے تھا لیکن پل توڑ دیے گئے، کشتیاں وہاں سے ہٹا دی گئی تھیں، مسلمانوں کے لئے اس کے پار کرنے کی کوئی صورت نہ تھی آپ کو معلوم ہے کہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے عرب دنیا میں گھوڑے کے سب سے بڑے شہسوار تھے لیکن پانی سے ان کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا۔ یہ پیرنا کیا جانیں اور سمندر بھی ہر جگہ نہیں ہے، صرف ساحل عرب پر ہے، جو اس کے قریب رہتے ہیں اور وہ بھی اکثر کشتیوں پر بیٹھنے کے عادی ہوا کرتے ہیں، عام طور پر تو عرب کچھ بھی جانتے ہوں لیکن پیراکی سے ناواقف تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ مدائن اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ سامنے ہے مگر اس میں جایا کیسے جائے، حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وہاں لشکر چند منٹ کے لئے روکا اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، میں یہ واقعہ کئی بار ذکر کر چکا ہوں، لکھ چکا ہوں، مگر اس سے بہتر واقعہ تاریخ عالم میں نہیں مل سکتا اور یہ ایسی بولتی ہوئی کہانی ہے سچا واقعہ ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی تو انھوں نے حضرت سلمان کی طرف دیکھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا ایھا الامیر اے ہمارے قائد! میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے، ان ھذا الدین لجدید۔ اللہ کا یہ دین اس کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے یہ ابھی ابھی آیا ہے دنیا کو نجات دینے کے لئے، میری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس کا بیڑا ہیں غرق ہو جائے جس کام کے لئے بھیجا جائے وہ کام پورا نہ ہو بشرطیکہ بھیجنے والا قادر ہو: آپ نے اپنے نوکر کو بھیجا اور آپ کی حکمرانی ہے، آپ کا سکہ چل رہا ہے تو کیا مجال ہے کہ کوئی آپ کے نوکر کو روکے یا راستہ ہی میں اس کا کام تمام کر دے، تو انہوں نے کہا یہ دین ابھی تازہ ہے اسے ابھی دنیا میں آئے کتنے دن ہوئے ہیں اور اس کے نمائندے ڈوب جائیں؟ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ کہیں لشکر میں گناہ تو عام نہیں ہو گئے ہیں۔ لشکر میں گناہ کا رواج تو نہیں ہو گیا ہے؟ بس انھوں نے یہ کہا اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے لشکر پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہ نگاہ بھی کیا نگاہ تھی اور وہ لشکر بھی کیا لشکر تھا کہ اسکی صورتوں سے معصومیت ٹپکتی تھی۔ اور وہ نگاہ بھی کیا نگاہ تھی جو ایک نظر میں سب کا جائزہ لے لے، آج جائزے کے لئے کیسے کیسے محکمے قائم ہیں پھر بھی اس کا پتہ نہیں چلتا ہے اور انھوں نے ایک مرتبہ دیکھا اور کہا بسم اللہ چلو آ۔ بس سب نے دریا میں گھوڑے ڈال دیے اور نہایت اطمینان سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے، کسی صحابی کا ایک برتن گر گیا، لوگوں نے انھیں طعنے دیے کہ آپ کا برتن گر گیا، انھوں نے کہا جائے گا کہاں، اس کی مجال کیا ہے، ایک لہر آئی، اور برتن بہتا ہوا ان کے پاس آ گیا، انھوں نے اسے اٹھا لیا، ان کے اطمینان کی اس وقت یہ حالت تھی لکھا ہے کہ اس طرح باتیں کر رہے تھے کانھم یمشون فی البر (ایسا پتہ چل رہا تھا جیسے خشکی پر چل رہے ہوں) جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا دیواں آمدند دیواں آمدند یہ تو دیو آ رہے ہیں دیو آ رہے ہیں۔

دوسرا واقعہ عقبہ بن نافع کا ہے جب وہ قیروان گئے اور وہاں چھاؤنی ڈالنے کا ارادہ کیا کہ وہاں سے بیٹھ کر سارے شمالی و مغربی افریقہ کو فتح کریں اور جگہ ان کو پسند آئی تو لوگوں نے کہا یہ جگہ مناسب نہیں ہے، یہاں شیر، چیتے، بھیڑیے بہت ہیں جو بھی جانور رہے ہوں، شیر کا نام تو خاص طور پر لیا اور بھی جانور رہے ہونگے، تو کہا آپ یہاں چھاؤنی نہ چھائیں آگے چھائیں معقول بات تھی اور معمولی بات تھی اللہ کی بڑی کا ذہن پڑی ہوئی تھی لیکن صحابہ کرام کا ذہن ہی اور تھا وہ حالات کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے تھے، حالات کو اپنے موافق بناتے تھے، انھوں نے کہا ہم تو جو اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں چلے جائیں اور یہ شیر اور چیتے یہیں رہیں ان کو رہنا ہو تو اسے چاہیے جس کی ضرورت ہو اس لئے یہ تو الٹی بات ہوئی کہ ہم کہیں بھائی یہ جگہ مناسب نہیں ہے آگے چلو، اور شیر کون سا مفید کام کر رہے ہیں، یہ کون سا اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، یہ بھیڑیے کون سے مفید ہیں اس لئے ہم نہیں جائیں گے ان کو جانا چاہیے اور یہ کہہ کر انھوں نے ایک آدمی کو بلایا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے افسانہ نہیں ہے اور عرب ایرانیوں اور ہندوستانیوں کی طرح تاریخ میں افسانہ لکھنے کے بالکل عادی نہیں ہیں، تاریخ بالکل سچی لکھتے ہیں جبھی تو حدیث محفوظ رہی، تو انھوں نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا دیکھو اعلان کر دو کہ اے شیرو! اور اے چیتو! یوں ہی کہنا گھبرانا نہیں، تم کو اس سے بحث نہیں کہ وہ سنتے نہیں اور بے زبان ہیں، ایسے ہی کہنا اے شیرو! اے چیتو! اے بھیڑیو! اے درندو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ہم یہاں چھاؤنی چھانا چاہتے ہیں، ہم یہاں بیٹھ کر اللہ کا پیغام پہونچانا چاہتے ہیں اور اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، جس کو اپنی جان پیاری ہو فلاں وقت تک مہلت ہے چلا جائے اور اگر وہ رہے گا تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ لوگوں نے کہا واللہ العظیم ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چیتا بھاگا چلا جا رہا ہے اور اس کی مادہ اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے ہے، بغل میں دبائے ہے اور بھاگی چلی جا رہی ہے تھوڑی دیر میں میدان صاف۔

یہ تھا ان کا طریقہ، انھوں نے ایک بار خدا کے حکم سے تغیر پیدا کیا اور اس کے بعد اس پر ثابت قدم رہے۔ ان کا طرز عمل یہ نہیں تھا کہ حالات کا تقاضا یوں ہے تو یوں ہو جاؤ پھر تقاضا یوں ہو تو یوں ہو جاؤ فلاں پارٹی جوائن کر لو، وہ دل بدلا نہیں کرتے تھے اور دل بدل بھلا نہیں کرتے تھے، نہ وہ دل بدلتے تھے اور نہ دل بدلتے تھے، ایک دل اور ایک دل و صفات میں تغیر تھا۔

اشتراکیت اور اسلام

از: ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم ـــــ ترجمہ: عبد المبین ندوی تخصص دوم (دعوہ)

جب کسی نظام کی افضلیت و برتری مناظرہ اور موازنہ کے ذریعہ دلیل سے ثابت کرنے کی کوشش، دلوں پر زنگ لگ جانے اور ذہن و دماغ پر عصبیت کا پردہ پڑ جانے کی وجہ سے بار آور نہ ہو، تو اس نظام کے نتائج و ثمرات پر کچی تاریخ کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ چاہے باطل و تخریب پسند لوگ اپنے بغض و عناد میں کتنی ہی سرکشی اختیار کر لیں۔

اشتراکیت اسلام کے فوائد و ثمرات کو، جیسا کہ تاریخ کے سچے واقعات سے عیاں ہے۔ ہم نے اس کے ملک و معاشرہ اور فرد میں دیکھا ہے، یہ کس طرح کے ثمرات تھے؟

اشتراکیت اسلام نے اہل عرب سے پستی میں لیجانے والی وثنیت، منتشر و متفرق قبائل کی زندگی، مشقت اور بے اطمینانی، علیحدگی پسندی اور انفرادیت لے کر انھیں بلند و عظیم توحید، خوشحال زندگی، وحدت قومی اور ایسی قیادت عطا کی جو پوری انسانی تاریخ میں نور و ہدایت کے پھیلنے کا ذریعہ بنی۔

اشتراکیت اسلام نے پورے عالم سے غلط عقائد، ظالم بادشاہت، جنگجو حیوانیت لیکر اسے آزاد عقیدہ، بیدار قیادت، شرافت و بھلائی سے بھرپور انسانیت عطا کی۔

عرب سے "ابو جہل" کو لیکر "ابو بکرؓ" جیسا عظیم المرتبت خلیفہ عطا کیا۔ فارس سے "مزدک" کو لے کر "ابو حنیفہ" جیسا فقیہ عطا کیا۔ عراق کو "رستم" کے بدلے میں "سعد بن ابی وقاص" جیسا جرنل عطا کیا۔ مصر کو "مقوقس" کے مقابلہ میں "عمرو بن العاص" جیسا فاتح بخشا۔ شام سے ہرقل کو لے کر "معاویہؓ" کو جنم دیا۔ دنیا کی قیادت سے "قیصر و کسریٰ" کو ہٹا کر "خالدؓ و عمرؓ" جیسا سپہ سالار عطا کیا۔ اسی طرح دنیا سے دو شہنشاہیتوں (Emperors) کا خاتمہ کیا۔ جنھوں نے قوموں کو فنا کے گھاٹ اتارا۔ یعنی "فارس" کی شہنشاہیت مشرق میں اور "روم" "امپائر" مغرب میں۔

اشتراکیت اسلام نے دنیا کو ایسی تہذیبیں عطا کیں، جنھوں نے مشرق کے بت پرست اور مغرب کے وحشی قبائل کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ یہ تہذیبیں مشرق میں "بغداد" اور مغرب میں "قرطبہ" کی تہذیب کہلاتی ہیں۔ یہ تو ہیں بعض وہ فوائد و ثمرات جو اشتراکیت اسلام کے طفیل حاصل ہوئے۔

اس کے بالمقابل کمیونسٹ اشتراکیت کے نتائج و ثمرات پر نظر ڈالئے! میں یہاں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک عرب کو چھوڑ کر اس کے اپنے ملک میں کیا نتائج نمودار ہوئے؟ میں یہاں صرف اپنے ملک عرب میں اس کے نتائج و ثمرات کا . . . ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا ہم سب مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

کمیونزم کے اشتراکیت کا ہی نتیجہ ہے کہ وطن عربی میں الحاد و افساد، خیانت و سازش نے جنم لیا۔

● شیوعیت یہ چاہتی ہے کہ امت عربی کی وحدت چھین کر اسے افتراق و انتشار میں مبتلا کر دے۔

● کمیونزم کی یہ کوشش ہے کہ امت عربیہ کی اجتماعیت و شمولیت کا شیرازہ منتشر کر کے اسے مختلف قومیتوں میں تقسیم کر دے جس سے ان میں باہم نفرت و عداوت کا بیج اُگے۔

● کمیونسٹ اشتراکیت یہ بھی چاہتی ہے کہ عرب قوم سے اس کا دین اور اسکی عربیت کو ختم کر کے اسے الحاد و قومیت کے پھندوں میں گرفتار کر دے۔

● اس کا یہ مشن ہے کہ عرب قومیت سے اس کی مردانہ صفات اور خوبیوں کو چھین کر اس میں پست ہمتی، نفاق اور اباحیت (یعنی ممنوعات کو کرنے اور مامورات کو چھوڑنے کی اجازت دینے والا) کا مرض عام کرے۔

● کمیونسٹ نظام چاہتا ہے کہ امت عربیہ کی قیادت و سیادت اور اس کا استحکام و استقلال نیست و نابود کر کے اسے خبیث سامراج کے قافلہ سے ملا دے جو نام نہاد انسانیت کے باریک پردہ میں چھپا ہوا ہے۔

● کمیونسٹ اشتراکیت چاہتی ہے کہ عالم اسلامی کی وحدت، روح اور اسکا جوہر اصلی چھین لے تاکہ اسے ایسی قومیتوں میں بانٹ دے جو ایک دوسرے کی دشمن ہوں اور ایسی خسیس و رذیل عادتوں میں مبتلا کر دے جو ان کے فضائل و خوبیوں کو ملیا میٹ کر دے۔

● وہ عرب اور مسلمانوں کے منبع طاقت و قوت پر غلبہ حاصل کر لینا چاہتی ہے۔ تاکہ ان کو کمزور کر دے اور اس کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کی آزادی اور خود مختاری چھین کر انھیں سامراجیوں کا تابع بنا دے۔ اور مسلمانوں کو ان لالچی سامراجیت کے مقابلہ میں بے دست و پا کر دے۔

● کمیونسٹ اشتراکیت چاہتی ہے کہ اسلامی مشرق عربی سے۔ دُکھ کی ماری انسانیت کے لئے اس نے نئی تہذیب کی جو بنیاد ڈالی ہے جس کی انسانیت محتاج ہے آگے بغیر کسی قانون اور جواز کے تیزی سے چھین کر ایسی پستی کی طرف ڈھکیلنے والی گندی تہذیب کے حوالے کر دے جو دم توڑ رہی ہے۔

● کمیونسٹ اشتراکیت کی آخری کوشش یہ ہے کہ عالم اسلام کو "محمدؐ" (ان پر اللہ کا درود و سلام ہو) کی قیادت سے ہٹا کر "ابلیس" (اس پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہو) کی قیادت و رہنمائی کی طرف لگا دے۔

کتنا فرق ہے اسلامی اشتراکیت اور اس کے عطیات میں، اور کمیونسٹ اشتراکیت اور اس کی ہلاکت خیزیوں میں۔ دونوں میں عظیم فرق ہم پر واضح ہو جاتا ہے۔ ؎
"ہمیں پہ ظلم ہو رہا ہے وفا جفا سے ہے کتنی آگے"

(بقیہ ص ۴ پر)

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی تازہ کتاب

تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب

قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کے ادبی شہ پارے

قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کی حکیمانہ دعوت اپنی امتوں اور شاہان وقت سے مکالمہ اور گفتگوؤں کے دل آویز و دل کشا نمونے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند خطبات اور انبیاء علیہم السلام کے بعض تربیت یافتہ اصحاب کی دعوت کا انداز، ان سب کا ادبی اور نفسیاتی تجزیہ اور ان سے دعوت الی اللہ اور حکمت ایمانی کے اصول کا استخراج، فہم قرآن، معرفت انبیاء، اور حکمت دعوت کی ایک نئی راہ کھولنے والی کتاب جس کے مطالعہ سے قرآن مجید سے شغف رکھنے والے، اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کسی تعلیم یافتہ مسلمان کو محروم نہیں رہنا چاہیے۔

آفسیٹ کی خوبصورت طباعت، قیمت دس روپے، مجلد مع گرد پوش

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

اصل عربی خطبات کے مطالعہ کا شوق رکھنے والے روائع من ادب الدعوة فی القرآن والسیرة النبویة، مندرجہ بالا پتہ سے طلب کریں۔ قیمت: Rs. 8/-

عالمی صحافت، اسلام اور مسلمان

مولانا محمد واضح رشید ندوی، ایڈیٹر "الرائد"

ترجمہ: نصیر احمد

ایران اور دیگر اسلامی ملکوں کے ساتھ عالمی صحافت کا طرز عمل انوکھا ہے۔ اس صحافت نے ان ملکوں میں ہونے والی خونریزیاں اور ظلم و تشدد کی ساری ذمہ داری اسلام پر ڈال دی ہے اور آئے دن اخباری بیانات اور تحریروں میں اسلام کی ایسی تصویر پیش کی جاتی ہے جس سے صرف بہیمیت کا تصور قائم ہوتا ہے اور اپنے پرایے کے ساتھ غیر انسانی سلوک کا ثبوت ملتا ہے مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ غیروں کے ساتھ انسانی ہمدردی سے نا آشنا ہیں اور ان میں تسامح، رواداری، صبر و برداشت مفقود ہے اور اس کی کڑیاں گزشتہ تاریخ سے ملائی جاتی ہیں بعض بیباک و گستاخ صحافی اس سلسلے کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ اس وقت عالم اسلام میں جو صورت حال ہے اس کا اسلام سے کتنا تعلق ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں جو بات تعجب کی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی ایسی تصویر پیش کرتے وقت یہ صحافی، ان اسباب سے دانستہ طور پر اغماض کرتے ہیں جو دراصل مغربی تہذیب کی دین ہے۔

یہ انقلابی ذہن صرف مسلم ملکوں ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے مختلف ملکوں میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کا طریقہ کار عصر حاضر کے قائدین کے طرز عمل اور عہد حاضر کے مغربی انقلابوں سے وابستہ ہے۔ ایرانی انقلاب سے کہیں زیادہ انقلاب فرانس اور انقلاب روس جو موجودہ عہد کی علمی، ادبی، سیاسی اور اقتصادی بنیاد تصور کئے جاتے ہیں۔ خونی اور بلا خیز تھے تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی ان انقلابات کی خون آشامیوں سے ناواقف نہیں ہے۔ یہ خونی انقلاب جن میں لاکھوں انسانوں کا خون بہا مسیحی ملکوں اور موجودہ تہذیب کے مرکز میں ہوئے تو کیا اس خونریزی اور قتل و غارت گری کا ذمہ دار موجودہ تہذیب اور مسیحیت کو قرار دیا جا سکتا ہے گزشتہ ایک صدی میں سامراجی طاقتوں کے ذریعہ انسانی خون بہایا گیا اور انسانی قدروں کی پامالی ہوئی وہ کسی پر مخفی نہیں یہ تمام سامراجی طاقتیں مسیحی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور مسیحیت کی اشاعت سے ان کی دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ روس کے ہاتھوں افغانستان میں جو خون خرابہ ہوا ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے وہاں لاکھوں انسان روسی بربریت کی نذر ہو گئے اُن سے زندگی کا حق چھین لیا گیا۔

اس کے قبل فرانس نے سرزمین الجزائر کو انسانی خون سے لالہ زار کیا اور اذیت ناک سزاؤں کی مثال قائم کی حتیٰ کہ لوگوں کو زندہ نذر آتش کیا۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں پندرہ لاکھ جانیں تلف ہوئیں۔

موجودہ عہد جسے نشأۃ ثانیہ کا عہد سمجھا جاتا ہے وہ دراصل سامراج کا عہد ہے جس میں غیر سفید فام اور غیر مسیحی ملکوں کو غلام بنایا گیا ان کو وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا گیا اور دو عالمی جنگیں ہوئیں جو کروڑوں انسانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب بنیں اس خونی تاریخ کے سامنے، عالم اسلام کے چند واقعات، جن کی بالواسطہ ذمہ داری خود اس سامراجی تاریخ پر ہے خون کے چند قطروں سے زیادہ نہیں۔ عالم اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مغربی اہل قلم کو اپنی تاریخ پر ایک نظر ضرور ڈالنی چاہیے اور خود ترقی یافتہ ملکوں کی امن و امان کی صورت حال اور بے چینی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو خود مغربی مفکرین کے لئے مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ ہیروشیما، ناگا ساکی اور کمبوڈیا اور اس جیسے درجنوں شہروں کے ویرانے بکھت اور تہذیب حاضر کے علمبرداروں کی پیشانی کے وہ بدنما داغ ہیں جو مٹائے نہیں جا سکتے۔

ہم ایران کی خونریزی کی تائید نہیں کر سکتے کیونکہ وہ عفو و درگذر کی تعلیمات اور "لا تثریب علیکم الیوم وانتم الطلقاء" کے نمونے کے عین خلاف ہے ہم نے بارہا اس پر بھرپور تنقید کی ہے اور ایران کے ان واقعات کے بارے میں ہمارا موقف بالکل واضح ہے اور ہر اس شخص نے اس پر تنقید کی ہے جو ایرانی واقعات کے اندرونی محرکات سے باخبر تھا اور جو ظاہری اسلامی نعروں سے مرعوب نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود ایران اور دوسرے اسلامی ملکوں کے واقعات کے نتیجے میں اسلام کو غلط انداز میں پیش کرنے اور بدنام کرنے کی مہم کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ یہ معقولیت سے دور اور بے بنیاد اور گمراہ کن پروپگنڈا ہے جس کو نہ تاریخ تسلیم کرتی ہے نہ عقل و منطق، اس پروپگنڈے کی بنیاد سراسر خبث باطن، عناد، نفرت اور تاریخ کو بگاڑنے اور حقائق کو مسخ کرنے پر ہے جو مغربی مصنفین اور مستشرقین کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اسی طرح پاکستانی ایٹمی منصوبے کے بارے میں بھی عالمی صحافت کا موقف عناد و عصبیت کا موقف ہے۔ پاکستان کے ایٹمی منصوبہ کو اسلامی بم سے تعبیر کرنا اسی خبث باطن پر مبنی ہے جو عالمی صحافت کا خیالی اختراع تھا اس کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر پاکستان و عراق کے بنائے ہوئے خیالی بم "اسلامی بم" ہو سکتے ہیں تو پھر امریکہ، فرانس اور برطانیہ جیسے "مہذب" ملکوں کے تیار کردہ سارے بم کیوں نہ "مسیحی بم" کہلائیں؟ جو چند سکنڈ میں زندگی و رونق سے بھرپور انسانی آبادیوں کو دھوئیں کی طرح اڑا دیں گے۔

حقائق کو فراموش کرنے والی عالمی صحافت کا یہ جارحانہ اور معاندانہ طرز عمل صرف اسی بنا پر ہے کہ اس کے مقابل کسی طاقتور اسلامی صحافت کا وجود نہیں۔ آج ایسی اسلامی صحافت کی شدید ضرورت ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلام کی ترجمانی کرے اور اسلامی دنیا کی سچی اور واقعاتی تصویر پیش کرے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مغربی دنیا کو بے نقاب کرے، مغربی قوم کی گمراہی، بے راہ روی، ذہنی انتشار، بہیمیت، اخلاقی انحطاط اور دناءت طبع، انسانی اقدار کی اور خود اپنے بنائے ہوئے بین الاقوامی ضوابط و روایات کی پامالی، ہٹ دھرمی اور عہد شکنی اور قومی و دینی عصبیت کو عریاں کرے۔ پھر خود مغربی افراد کی اپنے اپنے ملکوں میں انسانی ہمدردی اور اخلاقی قدروں سے محرومی اور زبوں حالی کو واشگاف کرے۔

عالم اسلام میں ذمہ دار با شعور اسلامی صحافت کا وجود جو دشمنان اسلام کی سازشوں کو بے نقاب کرے اور صیہونی اور صلیبی و سامراجی طاقتوں کے مقابلہ کے لئے ذہن تیار کرے وقت کی اہم ترین ضرورت ہے تاکہ عالم اسلام، مغربی قوم کی کھوکھلی اور بے روح تہذیب کے فریب سے واقف ہو اور دوست و دشمن میں تمیز کر سکے۔ تاکہ وہ حکومتیں جو مغربی ممالک کو اپنا ہمدرد اور سرپرست سمجھتی ہیں اور ان پر پورا اعتماد کرتی ہیں ـــــ مغربی ذرائع ابلاغ و مواصلات کی ملمع سازی، فریب دہی اور جھوٹ کے راز سے آگاہ ہوں۔ کیونکہ اگر صحافت اور ذرائع ابلاغ نے مغربی تہذیب کا کھوٹ اور انسان کے ساتھ نسلی، مذہبی اور تہذیبی بنیاد پر اس کے امتیازی سلوک اور بے رحمی کو بے نقاب نہ کیا تو کوئی بعید نہیں کہ یہ معاندین اسلام، از سر نو پوری دنیا پر سامراجی تسلط کے لئے زمین ہموار کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نے ساٹھ سال کے وقفہ میں ٹھوس، قابل قدر اور تعمیری خدمات انجام دی ہیں

خطبۂ صدارت جناب مولانا منت اللہ رحمانی، امیر شریعت بہار و اڑیسہ، بموقعہ تقریب سنگ بنیاد و تعمیرات امارت شرعیہ مورخہ ۱۷ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۵ر نومبر ۱۹۸۱ء

حضرات گرامی! ہم لوگ ایک بڑے اچھے اور یادگار موقعہ پر جمع ہیں۔ آج دفتر امارت شرعیہ کی مرکزی عمارت، ٹکنیکل سنٹر اور شفاخانہ کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے۔ آنے والے دنوں میں جب یہ عمارت تیار ہوں گی، تو مجھے یقین ہے کہ انسانی خدمت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوں گی۔ یہ تین قسم کی عمارتیں دراصل امارت شرعیہ کے انداز فکر کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں کہ امارت شرعیہ کی نگاہ میں کن چیزوں کی کیا اہمیت ہے دفتر خاموشی کے ساتھ نظم و ضبط کی تعلیم دیتا ہے۔ ٹکنیکل سنٹر سے اندازہ ہوتا ہے کہ امارت شرعیہ کی نگاہ میں تعلیم کی کیا اہمیت ہے اور امارت شرعیہ چاہتی ہے کہ انسان بیماری کی تکلیف نہ جھیلے، ہر شخص صحت مند رہے اور خوشی کی زندگی گذارے شفاخانہ کی اسکیم اسی احساس کا نتیجہ ہے۔ ان تینوں چیزوں سے انسانوں کو فائدہ ہوگا اور یہ چیزیں ہمارے ملک کی بنیادی ضرورت ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف امارت شرعیہ نے ایک چھوٹا سا ہی مگر مضبوط قدم اٹھایا ہے۔

امارت شرعیہ ملک اور ملت کی خدمت کا برابر ذریعہ رہی ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں اسے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے جنگ آزادی کے مشہور رہنما اور عالم دین مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ، حضرت مولانا محمد علی مونگیری کی دعاؤں اور حضرت مولانا بدرالدین (رحمہم اللہ) کی سرپرستی میں قائم کیا تھا۔ ساٹھ سال گذر گئے اس پورے عرصہ میں امارت شرعیہ نے بہت ٹھوس، قابل قدر اور تعمیری خدمات انجام دی ہیں۔ اس ادارہ نے کمزوروں، مجبوروں اور مظلوموں کو اوپر اٹھانے، سہارا دینے اور ان کی حمایت کرنے کا گرانقدر فریضہ انجام دیا ہے۔ بچوں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کو ترقی دینے کی خدمت انجام دی ہے۔ سماج، خاندان اور افراد کے آپسی جھگڑوں کو ختم کرانے کی کامیاب کوشش بڑے پیمانے پر کی ہے۔ اور عوامی مصیبت کے ہر موقعہ پر اس نے دکھی انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا معاملہ کیا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سماج کے بگاڑ اور بناؤ، صلاح و فساد اچھائی اور برائی کا احساس یادرد دفتر امارت شرعیہ میں محسوس نہیں کیا گیا ہو۔ امارت شرعیہ گرچہ دینی تنظیم ہے جس نے پارلیمانی سیاست سے اپنے آپ کو الگ رکھا ہے۔ لیکن اتنی اہم اور موثر تنظیم ملکی اور صوبائی سیاست سے بالکل بے خبر نہیں رہ سکتی۔ اسی لئے امارت شرعیہ نے آزادی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا، اس کے رہنماؤں اور کارکنوں نے آزادی وطن کی خاطر ریل اور جیل سے گہرا رشتہ رکھا اور امارت شرعیہ کے ہفت روزہ ترجمان "امارت" کو بار بار جرمانہ کی رقم دینی پڑی اور آخر میں جب اس کے حملے انگریزی حکومت کے لئے ناقابل برداشت ہو گئے تو حکومت نے اسے بند کر دیا، لیکن حق کی یہ آواز دبائے نہیں دبی اور امارت شرعیہ نے دوسرا ترجمان "نقیب" کے نام سے جاری کر دیا جو آج صوبہ بہار کا سب سے پرانا اور معیاری اردو اخبار ہے۔ آزادی کے بعد بھی امارت شرعیہ برابر پارلیمانی سیاست سے الگ رہی لیکن اس نے ملک کے فائدہ کے پیش نظر سیاسی رہنماؤں، حکومت کے ذمہ داروں اور سماجی نمائندوں کو مشورے دیے ہیں۔ اچھے کاموں کی تحسین اور غلط کاموں پر تنقید کی ہے۔ امارت شرعیہ نے کبھی غلط پالیسیوں سے اپنے اختلاف کے اظہار میں نرمی یا خاموشی نہیں برتی اور اس نے کبھی حق کے اظہار پر مصلحت کو ترجیح نہیں دی ہے، امارت شرعیہ سمجھتی ہے کہ ملک کی تعمیر اور صحت مند معاشرہ کی تشکیل کے لئے یہ پالیسی مفید ہے۔ امارت شرعیہ کی خدمات کا ساٹھ سالہ ریکارڈ ہے۔ ۱۹۵۷ء میں بہار و اڑیسہ کے اہل علم، علماء اور عوامی نمائندوں نے مجھے اس ادارہ کا سربراہ منتخب کیا تھا مجھے خوشی ہے کہ تقریباً ۲۴ سال قبل جو امانت میرے اور امارت کے دوسرے رفقاء اور کارکنوں کے حوالے کی گئی تھی، وہ امانت نہ صرف محفوظ ہے بلکہ اس میں ترقی ہوئی ہے، اس کی تنظیم پھیلی ہے ہر ایک شعبہ میں اضافہ ہوا ہے بعض نئے شعبے بھی قائم کئے گئے ہیں۔ امارت شرعیہ کا نہ صرف مرکزی دفتر دارالقضاء کی مستقل عمارت موجود ہے بلکہ انتظامی دارالقضاء کے دفاتر بہار و اڑیسہ کے بہت سے شہروں میں قائم ہیں۔ پچھلے برسوں میں امارت شرعیہ کی کارکردگی کا اثر پورے ملک پر ہوا ہے اور آسام، تریپورہ، میگھالیہ، آندھرا پردیش، کرناٹک، مہاراشٹرا اور ملک کے مختلف حصوں میں اسی طرز پر کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ امارت شرعیہ کے انداز فکر، طریق کار اور خدمات کو پورے ملک میں وقار اور اعتبار حاصل ہے اور یہ کارکنوں کا اخلاص ہے کہ اس کے کاموں میں بہت زیادہ وسعت آچکی ہے جس کا تقاضہ ہے کہ امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر اور رفاہی کاموں کے دائرہ کو اور پھیلا دیا جائے۔

ضرورت کے اس احساس نے امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر کی تعمیر کا تخیل دیا اور زمین کے خریدنے کی کوشش کی گئی۔ کوئی آٹھ سال قبل جب نرسنگھ بیٹھا (اس وقت کے وزیر تعمیرات عامہ حکومت بہار) نے امارت شرعیہ کے کاموں کو قریب سے سمجھا تو انھوں نے یہ تجویز رکھی کہ امارت شرعیہ حکومت سے زمین حاصل کرے۔ محکمہ تعمیرات عامہ کی ایک افتادہ زمین جہاں آپ ابھی جمع ہیں کے لئے امارت شرعیہ نے درخواست دی۔ یہ بہر حال سرکاری دفاتر سے متعلق کام تھا جس میں دیر ہوتی بالآخر گذشتہ سال ۱۹۸۰ء میں بہار کیبنٹ کے ایک فیصلہ کے ذریعہ یہ زمین امارت شرعیہ کو لیز پر دی گئی اور مطلوبہ رقم ادا کرنے کے بعد امارت شرعیہ کے نام یہ زمین رجسٹری ہو گئی، جس کے لئے امارت شرعیہ صوبائی کابینہ اور اس کے سربراہ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا اور گورنر بہار ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کی ممنون ہے۔ خدا نے چاہا تو اس زمین پر جلد ہی انسانی خدمات اور رفاہی مقاصد کے لئے عمارت بنے گی یہ ایک لابنی اسکیم ہے جس میں لاکھوں روپے صرف ہوں گے، مگر مجھے اور امارت شرعیہ کے مخلصوں اور کارکنوں کو یقین ہے کہ یہ کام ضرور پورا ہوگا۔ انسان زندگی میں بہت کچھ سوچتا ہے اس لئے بہت تھوڑا کر پاتا ہے جب بہار و اڑیسہ کے ارباب حل و عقد نے یہ امانت میرے حوالہ کی تھی، میں نے اپنے رفقاء کے ساتھ کاموں کا ایک خاکہ بنایا تھا، یہ تو آپ فیصلہ کریں کہ اس خاکہ میں کیسا رنگ بھرا گیا ہے۔ مگر میرا سر خدا کے حضور احساس شکر کے ساتھ جھک جاتا ہے۔ جب میں امارت شرعیہ کے کاموں کی وسعت اور مقبولیت کو دیکھتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ حضرات کا بھرپور اعتماد مجھے حاصل ہے اور امارت شرعیہ کے گرد مخلص معاونین اور کارکنوں کی ایک جماعت موجود ہے جو حوصلہ، سلیقہ اور بے لوث خدمت کے جذبہ کے ساتھ سارے کاموں کو انجام دے سکتی ہے۔

یہ عظیم الشان تعمیری منصوبہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ میں عمر کی اس منزل میں پہونچ چکا ہوں جہاں لوگ نئے منصوبے نہیں بناتے، لیکن خدا کے فضل اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے مخلصین پر اعتماد کرتے ہوئے یہ نیا کام شروع کیا جا رہا ۴۴

۴۴ ہے۔ قومی اور ملی کاموں کا انحصار افراد پر نہیں ہوتا، میں رہوں یا نہ رہوں اسے پورا کرنے کی ذمہ داری آپ سبھوں پر ہے۔

ڈاکٹر تارا چرن رستوگی، بیروباڑی، گوہاٹی

مولانا ابوالحسن علی ندوی اور افہام اقبال

اسلامیات کی روشنی میں

تاریخ و مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے فکر و شعر اقبال کا بھرپور جائزہ لیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر خاصی تصنیفات نکل چکی ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم کی "فکر اقبال" عبدالسلام ندوی کی "اقبال کامل" یوسف حسین خاں کی "روح اقبال" وغیرہ میں افکار اقبال کی تحلیل و تنقید تو کی گئی ہے مگر تہذیب و مذہب، تاریخ و سیاست ملی کی روایات اور ان سے زائدہ جذبات و تخلیقات کی طرف جتنی توجہ دی جانی چاہیئے تھی نہیں دی گئی۔ خدا پر ایمان، اسلام کو فرمان الٰہی سمجھنا اسلامی تاریخ کے جمال و جلال کی آگہی وغیرہ سے اکتساب فیض و برکت حاصل کرنے کو مدعا حیات سمجھنا، وغیرہ فکر سے زیادہ اپنی نوعیت میں جذباتی و نفسیاتی باتیں ہوتی ہیں۔ شعر اقبال کا اصلاً پس منظر یہی ہے اور اس موضوع پر تقدس مآب مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے باوجودیکہ وہ دعوت و عزیمت اسلام کے مقتضیات کے تحت جہاں نوردی کے لئے وقف ہو کر رہ گئے ہیں اور دنیا کی مطلوب ترین و مصروف ترین ہستیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، اقبال پر اسی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا موصوف یوں تو درجنوں گرانقدر تصنیفات کے مصنف ہیں، ان کی دو تصانیف "نقوش اقبال" اور "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" تفہیم اقبال کے لئے اپنی مثال آپ ہیں۔ پہلی کتاب "نقوش اقبال" مولانا کی عربی تصنیف "روائع اقبال" کا اردو ترجمہ ہے۔ ملحوظ رہے روائع اقبال ان تحریری تقریروں پر مشتمل ہے جن کے مخاطب عرب تھے کیونکہ روائع اقبال کا مقصد عرب ممالک کو اقبال سے متعارف کرانا تھا۔ موخرالذکر کتاب بھی اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی اور اس کو اس صدی میں مسلمانوں کے نشاۃ ثانیہ کی تاریخی دستاویز قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس سے بھی مسلمانوں کی اس معاشرتی و سیاسی فضا کا پتہ ملتا ہے جس میں اقبال کے دل و دماغ کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ "نقوش اقبال" اور "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" دونوں ایسی تصانیف ہیں کہ ان کو پیش نظر رکھے بغیر اسلامیات کے پس منظر میں شعر و فکر اقبال کو کما حقہ سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس سمت میں آگے بڑھنے سے پیشتر یہ بتانا ضروری ہے کہ مولانا موصوف نے صرف جذبات کے تحت ہی اقبال کو نہیں دیکھا ہے ملاحظہ ہو:

" وہ ایک نادر الکلام ماہر فن شاعر تھے، لیکن ان سب باتوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ان کے ہم عصروں میں کوئی اچھا اور اونچا شاعر ہی نہ تھا بلکہ اچھے سے اچھے اونچے ادیب و شاعر موجود تھے۔ ان کی شاعری کو عظیم بنانے میں انگریزی اور جرمن شعر و ادب اور فارسی شاعری کا بھی بڑا دخل ہے۔ (ص ۴۶، نقوش اقبال)

میں اقبال کو کوئی معصوم و مقدس ہستی اور کوئی دینی پیشوا اور امام مجتہد نہیں سمجھتا اور نہ میں ان کے کلام سے استناد اور مدح سرائی میں حد افراط کو پہنچا ہوا ہوں جیسا کہ ان کے غالی معتقدین کا شیوہ ہے، میں سمجھتا ہوں کہ حکیم سنائیؒ، عطارؒ اور عارف رومیؒ آداب شریعت کے پاس اور لحاظ اور ظاہر و باطن کی یک رنگی اور دعوت و عمل کی ہم آہنگی میں ان سے بہت آگے ہیں، اقبال کے یہاں اسلامی عقیدہ و فلسفہ کی ایسی تعبیریں بھی ملتی ہیں، جن سے اتفاق کرنا مشکل ہے، میں بعض پرجوش نوجوانوں کی طرح اس کا بھی قائل نہیں کہ اسلام کو ان سے بہتر کسی نے سمجھا ہی نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر دور میں اس کا قائل رہا کہ وہ اسلامیات کے ایک مخلص طالب علم رہے، اور اپنے مقتدر معاصرین سے برابر استفادہ ہی کرتے رہے (مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی کے نام خطوط سے ان کے اخلاق و تواضع اور علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے) ان کی نادر شخصیت میں بعض ایسے کمزور پہلو بھی ہیں، جو ان کے علم و فن اور پیغام کی عظمت سے میل نہیں کھاتے (ص ۴۰-۴۱، نقوش اقبال) مشہور و معروف ماہر اسلامیات مستشرق GIBB نے بھی کہیں کچھ کہا ہے کہ اقبال کے بہت سے خیالات ان کو خالص سنی نقطۂ نظر سے کفر و الحاد کی حد پر لا کھڑا کر دیتے ہیں۔

مولانا موصوف نے اقبال کے رجحانات و میلانات پر اشارۃً کہا ہے کہ عصری عرب ممالک احساس کمتری اور مرض خود فراموشی کا سب سے زیادہ شکار ہیں۔ دنیا نے اگرچہ سے نئی زندگی اور نیا ایمان پایا ہے لیکن آج انہیں کی فضا سب سے زیادہ خاموش اور انہیں کا سمندر سب سے زیادہ پرسکون ہے، اقبال نے آج سے چند برس پہلے ان ملکوں کو دیکھ کر بیجا نہیں کہا تھا کہ ؎

نی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

یورپ کے قرب، مخصوص سیاسی حالات اور ان دیوانوں کی کمی سے جو خوش قسمتی سے ہندوستان کی سرزمین میں برابر پیدا ہوتے رہے اور عرب کی مقدس سرزمین عرصہ سے ان کے وجود سے محروم تھی، عرب کو یورپ کی شیشہ گری اور فرزانگی کا آسانی سے شکار بن جانے دیا، لوگوں نے یا تو زمانہ سے صلح کر لی تھی یا مایوس ہو کر بیٹھ گئے تھے یا بہاؤ پر اپنی کشتی ڈال دی تھی، ان ممالک کے حالات پر نظر رکھنے والا اور ان کے ماضی و حال کا موازنہ کرنے والا بڑے درد و حسرت سے کہہ رہا تھا ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

(ص ۱۷، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر)۔

اقبال پر اسلامی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے درج ذیل اثرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۱) ایمان و یقین، ان کی طاقت و قوت اور حکمت و فراست کا منبع اور سرچشمہ ہے، لیکن ...... وہ یقین و ایمان اس خشک جامد ایمان کی طرح نہیں ہے جو بے جان تصدیق یا محض جامد عقیدہ ہے ...... اقبال اسلام اور اس کے پیغام کے بارے نہایت راسخ الایمان تھے ...... ان کے نزدیک اسلام ہی ایک ایسا زندہ جاوید دین ہے کہ اس کے بغیر انسانیت فلاح و سعادت کے بام عروج تک پہنچ ہی نہیں سکتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رشد و ہدایت کے آخری مینار، نبوت و رسالت کے خاتم اور مولائے کل ہیں ......"

(ص ۵۵، نقوش اقبال)

(۲) اقبال کی شخصیت کو بنانے والا دوسرا عنصر قرآن مجید ہے۔ اقبال کا ایمان چونکہ نو مسلم کا سا ہے، خاندانی وراثت کے طور پر انہیں نہیں ملا ہے، اس لئے ان کے اندر نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں قرآن سے شغف، تعلق اور شعور و احساس کیساتھ مطالعہ کا ذوق بہت زیادہ ہے (انھوں نے ایک دفعہ اپنے فرزند جاوید اقبال کو نصیحت کرتے ہوئے کہا) میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم قرآن اس طرح پڑھا کرو کہ جیسے قرآن اسی وقت تم پر نازل ہو رہا ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف

(ص ۶۱ ـ نقوش اقبال)

(۳) "تیسرا عنصر، عرفان نفس اور خودی ہے" ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

(ص ۶۳ ـ نقوش اقبال)

(۴) چوتھا عنصر ..... آہ سحرگاہی ..... اقبال کے نزدیک آہ سحرگاہی زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے ؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی

(۵) آخری موثر عنصر جس نے اقبال کی

شخصیت کی تخلیق میں اہم حصہ لیا ہے وہ مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی ہے، اقبال نے روم کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں
نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں، وہی تبریز ہے ساقی
(ص ۹۸۔ نقوش اقبال)

یہی وہ عناصر ہیں جو اقبال کو "گم شدہ انسان" کی تلاش میں لے گئے۔ اقبال نے اس کھوئے ہوئے انسان کو پا لیا اور اس کو اچھی طرح پہچانا اور زندگی کے طویل ایام اس کے ساتھ گذارے، اقبال کا یہ اکتشاف کولمبس کی نئی دنیا کے اکتشافات سے زیادہ وسیع اور بڑا اکتشاف ہے۔ اقبال کے اس مرد مومن اور مسلم مثالی کو اس کے ایمان کی قوت اور یقین کی ناقابل تسخیر طاقت دنیا کے ان سارے انسانوں سے جو شک و ریب میں مبتلا ہیں، ممتاز کر دیتی ہے، اس کی آفاقیت وانسانیت، وطن پرستی اور رنگ و نسل کے امتیاز کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز ......

اس وسیع کائنات کا مقصد وجود ہی صرف مرد مومن ہے، عالم کا وجود اس کے لئے ہے۔ یہ حقیقت اس پر اچھی طرح واضح ہے کہ یہ کائنات اور اس کے سارے لوازمات صرف ایک سچے مسلمان کے لئے وجود میں آئے ہیں وہ اللہ کا اس سرزمین پر نائب و خلیفہ ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

اقبال کے نزدیک عالم میں ایک "مسلم" کی حیثیت عالمی حقیقت کی ہے، رنگ و نسل اور وطن و ملک کی جغرافیائی حدود کا اسے پابند نہیں کیا جا سکتا۔

رحمۃ للعالمین

اقبال فیضی

تمام عالمِ ہستی مثال صحرا تھا
چمک رہا تھا جہاں نیم روز کا سورج
حد نگاہ تلک دھوپ کی حکومت تھی
کہیں کہیں پہ چٹانیں تھیں سنگ خارا کی
کہیں ببول کا کوئی اگر درخت بھی تھا
سلگ رہے تھے نظارے نگاہ زخمی تھی
جو کوئی خیر کا پودا بہت جری ہو کر
تو اپنی جرأت ناداں کی آگ میں جل کر
ہوا کے تند جھکولے اُلجھتے آپس میں
بگولے عالم وحشت میں رقص کرتے تھے
لگا رہے تھے شیاطین قہقہے مل کر

زمین پہ ریت سُلگتی پاؤں جلتا تھا
سر حیات پہ چادر نہ تھی برہنہ تھا
نہ کوئی سبزہ کہیں تھا نہ کوئی سایہ تھا
تو ان کا سایہ بھی سایہ نہیں تھا شعلہ تھا
تو آفتاب کی حدت سے وہ بھی جھلسا تھا
نہ کوئی جائے پناہ تھی نہ کوئی رستہ تھا
زمیں کی جلتی ہوئی سطح پر اُبھرتا تھا
فنا کے گھاٹ ذرا دیر میں اُترتا تھا
تو ایک شور عجب ہولناک اٹھتا تھا
تو نیم روز کا سورج شرر اگلتا تھا
حیات پیر ہ گھٹتی تھی دم نکلتا تھا

مگر نہ جانے ہوا کیا کہ آخری آہیں
لبِ حیات سے نکلیں تو بن گئیں بادل
یہ ابر جھوم کے برسا تمام صحرا پر
ہوئے وہ سخت مناظر نگاہ سے اوجھل

تمام سینۂ گیتی پہ امن اُگ آیا
چہار سمت بہے صدق و عدل کے دریا
درخت جود و سخا کی گھنیری چھاؤں میں
تھکا تھکایا ہوا آدمی سمٹ آیا

اٹھیں اگرچہ کئی آندھیاں یہ عزم لئے
کہ ہم اڑا کے ہی چھوڑیں گے ایسے بادل کو
کئی بگولے اٹھے پیچ و تاب کھا کھا کر
کہ ہم مٹا کے ہی چھوڑیں گے ایسے بادل کو

بساط جس نے پلٹ دی ہمارے صحرا کی
ہر ایک منظرِ آتش کو لالہ فام کیا
زمیں کو لطف بہاراں سے آشنا کر کے
ہماری ساری امیدوں کا قتل عام کیا

مگر وہ ابر کہ آہِ رسا کا پیکر تھا
ہلا نہ پائیں بلائیں اسے جہاں بھر کی

وہ تب سے آج تک اپنی جگہ پہ ہے قائم
صلاۃ اور سلام اس پہ تا ابد دائم

صلی اللہ علیہ وسلم

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
ان کے علاوہ خصوصی پیش کش
ڈرائی فروٹ برفی
بلک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی
فون 320059
بیکری: ۔۔۔ ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

مدرسہ تعلیم الدین

ممتاز آباد، ضلع جالون

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

ضلع جالون اتر پردیش کے بہت پس ماندہ اضلاع و مقامات میں سے ہے، وہاں عرصۂ دراز سے کسی دینی و علمی مرکز یا کسی بڑے مدرسہ کا سُراغ نہیں ملتا، یہ پورا علاقہ علم کی روشنی سے بہت دور اور تعلیمی مرکز سے عرصہ سے محروم ہے، ویسے اس ضلع کے مسلمان بہت سی نسلی اور قومی خصوصیات کے حامل ہیں اور ان میں علم و عمل دونوں میدانوں میں ترقی کرنے اور دینی دعوت کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، تقریباً ۳۰۔۳۵ سال سے اس علاقہ کا کچھ تعلق دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے ذمہ داروں سے قائم ہوا، اس علاقہ کے کچھ بچوں اور نوجوانوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فائدہ اٹھایا، کچھ نوجوان حافظ اور عالم بن کر نکلے اور انھوں نے اس علاقہ میں تھوڑی بہت خدمت انجام دی لیکن ضرورت تھی کہ اس علاقہ کے کسی ایسے مقام پر جہاں دینی درد رکھنے والے اور با اثر صاحب رسوخ مسلمان اچھی تعداد میں ہوں، ندوۃ العلماء کے ماتحت ایک مرکزی درسگاہ قائم کی جائے جہاں اس علاقے کے بچے دینی تعلیم حاصل کریں، حافظ و عالم بن کر اس علاقہ میں جا بجا مکاتب اور مدارس قائم کریں، مساجد میں امام و خطیب کی خدمت انجام دیں اور روز مرہ کے مسائل میں اپنے ہم وطنوں کی دینی رہنمائی کر سکیں اور جن طلباء میں نمایاں علمی و ذہنی صلاحیت ہو وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء یا کسی دوسرے مستند دینی مدرسہ میں تعلیم کی تکمیل کر کے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، اس لئے کہ بڑی تعداد میں بچوں کا دور دراز کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا اور والدین کا یا مدرسہ کا ان کا بار اٹھانا آسان نہیں۔ اس غرض کے لئے ممتاز آباد کا انتخاب کیا گیا جو سڑک سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔

چنانچہ مئی ۱۹۸۰ء (۱۴۰۰ھ) میں بنام خدا ممتاز آباد میں مدرسہ تعلیم الدین کی بنیاد رکھی گئی اور حاجی واحد بیگ صاحب کو جنھوں نے شروع سے اس سے دلچسپی لی تھی اس کا ذمہ دار بنایا گیا حاجی واحد بیگ صاحب کی کوششوں سے اس غرض کے لئے گاؤں کے قریب ایک قطعہ آراضی جو آٹھ بیگھہ پر مشتمل ہے حاصل کر لیا گیا اور وہاں ابتدائی تعلیم کے لئے تھوڑی سی عارضی عمارت بھی کھڑی کر دی گئی، اب ضرورت ہے کہ اہل خیر اس کام کی طرف متوجہ ہوں اور مدرسہ کی عمارت کا کام شروع ہو جائے تاکہ گرد و نواح کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں اور اس علاقہ میں علم دین کی روشنی پھیلے اور وہ ان پیشہ ور دینی کاروبار کرنے والوں کے غلط اثرات سے محفوظ ہوں جو،

"یا أیھا الذین آمنوا إن کثیرا من الأحبار والرھبان لیأکلون أموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ" (توبہ ۔ ۵)

(اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے)۔ کے مصداق ہیں اور ایسے حقانی عالم و داعی پیدا ہوں جو:

"ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون" (آل عمران ۔ ۸)

(لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے)۔

مدرسہ کی مسجد کا سنگ بنیاد:

جناب عبد الواحد بیگ صاحب نے جو مدرسہ کی ترقی کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں مدرسہ کی زمین میں ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا ہے، اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب اور مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے لئے جو ان اطراف میں دعوت و تبلیغ کا اہم ذریعہ ہے، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی اور مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور بعض دیگر علماء کرام کو دعوت دی، اور چونکہ اس مدرسہ کا الحاق دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ہے، اس لئے ندوۃ العلماء کے بعض اساتذۂ کرام کو بھی دعوت دی گئی۔ ۱۹، ۲۰ نومبر جمعرات کی شام اور جمعہ کی صبح کو جلسہ کا پروگرام رکھا گیا تھا۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی جمعرات سہ پہر کو رائے بریلی سے اور ندوہ کے چند اساتذہ اور دیگر مدعوئین لکھنؤ سے براہ کانپور کالپی پہونچے، ایک میل تک کچی سڑک پر سے گذر کر جس کو گاؤں والوں نے مہمانوں کی آمد کے لئے برابر کیا تھا ممتاز آباد پہونچنا ہوا، جلسہ گاہ میں وسیع پنڈال بڑے سلیقہ سے نصب کیا گیا تھا، مدرسہ کے کمروں میں رہنے کا انتظام، اور سامنے ایک خیمہ میں دارالطعام کا انتظام تھا، حضرت مولانا مدظلہ، مع اپنے رفقاء کچھ دور پر گاؤں میں جناب عبد الواحد بیگ صاحب کے مکان پر مقیم ہوئے۔

جمعرات کو مغرب بعد جلسہ کی ابتداء ہوئی۔ پہلے مولانا قاری صدیق احمد صاحب نے تقریر فرمائی، پھر حضرت مولانا مدظلہ نے مختصر تقریر فرمائی، مجمع کثیر تعداد میں تھا، اور دیر تک آتا رہا، لیکن جلسہ ۸½ پر ختم ہو گیا، پھر جمعہ کے دن فجر کے بعد سے پروگرام شروع ہوا، مولانا نواز حسین علی صاحب کی تقریر فجر بعد شروع ہوئی اور اشراق کے بعد ان کی تقریر کے اختتام پر پروگرام کی یہ نشست برخاست ہو گئی، پھر ۹ بجے سے دوسری نشست شروع ہوئی، جس میں تلاوت کلام پاک کے بعد مولوی سلمان صاحب ندوی نے تقریر کی، پھر حضرت مولانا مدظلہ العالی نے موثر و دلپذیر تقریر فرمائی، زمین میں بیج ڈالنے سے بقدرت خداوندی کس طرح پودا نکلتا ہے اور لہلہاتا ہے، اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بڑے دلکش انداز میں مدرسہ کے بچوں کو بیج سے تعبیر فرمایا، دوران تقریر فرمایا کہ عرب بڑے حقیقت پسند ہیں کہ بچوں کو (بذرہ) کہتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بچے بیج ہیں۔

اس مثال کو تفصیل سے بیان فرما کر، دعا پر جلسہ کا اختتام فرمایا، اس کے بعد جس مقام کو مسجد کے لئے منتخب کیا گیا ہے، وہاں تشریف لے جا کر دوگانہ نفل ادا فرمائی، اور دعا فرمائی۔ حاضرین جلسہ دعا میں شریک ہوئے ۱۲½ بجے نماز جمعہ مدرسہ کے سامنے پنڈال میں ادا کی گئی، نماز کے بعد صوفی انعام اللہ صاحب کا بیان ہوا۔

یہ مدرسہ جس علاقہ میں قائم کیا گیا ہے وہ بہت توجہ کا محتاج ہے اور انشاء اللہ اہل خیر کے تعاون سے وہ دن دور نہیں جب مدرسہ علم و تربیت کا اہم مرکز ہوگا۔

★ ★

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

مطالعہ کی میز پر

نام کتاب : رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ ، مصنف : مولانا جمیل احمد نذیری فاضل دیوبند
پتہ : مکتبہ صداقت کاکوری ، لکھنؤ

زیر تبصرہ کتاب چھوٹے سائز کے ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت ، طباعت ، کاغذ مناسب ، قیمت ۹ روپے ، کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں رضاخانی جماعت جو اپنے کو اہل سنّت والجماعت کے نام سے موسوم کرتی ہے اس کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ کتاب سات ابواب میں تقسیم ہے۔ پہلے باب میں دیوبندی بریلوی اختلافات کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ یہ اختلاف کب اور کیوں شروع ہوا ؟ اختلاف کے اسباب و محرکات کیا تھے ؟ اس دوسرے باب میں مصنف نے مولوی احمد رضاخاں صاحب کی مشہور کتاب حسام الحرمین پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے ان کے ذوق تکفیر کی داستان قلمبند کی ہے۔

تیسرے باب میں ثابت کیا گیا ہے کہ مولوی احمد رضا صاحب تکفیر کے بارے میں اتنے بیباک اور غیر محتاط تھے کہ بسا اوقات خود اپنی تکفیر کی زد میں آجاتے تھے۔

چوتھا باب ہے " رضاخانی اور محبت رسولؐ کا دعویٰ " اس باب میں مصنف نے ثابت کیا ہے کہ رضاخانیوں کی طرف سے حب رسول کا دعویٰ محض دجل و فریب ہے ، ان حضرات کی زندگی اور سرگرمیاں اس دعویٰ کو جھٹلا رہی ہیں۔ پانچویں باب میں رضاخانیوں کے سُنّی ہونے کے دعویٰ کو چیلنج کیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ رضاخانی سنی نہیں ہیں۔

چھٹے باب میں رضاخانی مصنفوں اور مضمون نگاروں کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ رضاخانیوں نے اب تک کوئی تعمیر کام نہیں کیا۔ ان کے پاس نہ کوئی تنظیم ہے نہ مفید سرگرمی۔ ساتویں باب میں رضاخوانی عوام کو دعوت فکر دی گئی ہے اور ان کے ضمیر کو بیدار کیا گیا ہے۔

یہ ہے کتاب کا اجمالی خاکہ ، زبان و بیان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے ، معمولی اردو خواں بھی کتاب سمجھنے میں دقت محسوس نہیں کرے گا۔ دیوبندی بریلوی اختلافات سے واقفیت حاصل کرنے ، خصوصاً بریلویت کی خامیوں سے باخبر ہونے کے لئے کتاب بہت کارآمد ہے۔ دینی ، علمی حلقوں میں کتاب پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی جائے گی۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران چند چیزیں کھٹکیں جن کی طرف متوجہ کرنا تبصرہ نگار کا فریضہ ہے ، امید ہے آئندہ اشاعت میں اصلاح کرلی جائے گی۔

۱۔ انداز تحریر مجموعی طور پر شستہ و شگفتہ ہے لیکن جگہ جگہ انداز ناقدانہ سے زیادہ جارحانہ ہوگیا ہے۔ جوش و جذبہ کی بنا پر کہیں کہیں تلخی و تندی میں اضافہ ہوگیا اور قلم توازن کھو بیٹھا ہے۔ جذبات پر قابو نہ رکھنے کی بنا پر کبھی کبھی اسلوب تحریر کی چاشنی و حلاوت میں نمایاں کمی محسوس ہوتی ہے۔ بعض عبارتیں موجودہ انداز تحقیق کی سطح سے فروتر ہیں۔ مثلاً مولانا احمد رضا خاں صاحب کے تکفیری ذوق کی الم ناک داستان قلمبند کرتے ہوئے یہ شعر چسپت کرتے ہیں ؎

بریلی کے فتووں کا سستا ہے بھاؤ
یہ ملتے ہیں اک پیسے میں تین تین

اس طرح کے عامیانہ اشعار عوام کے ذوق کی تسکین کا سامان تو بن سکتے ہیں لیکن کسی علمی ، دینی ، کتاب کے شایان شان بالکل نہیں۔ ایسے دو چار اشعار بھی کتاب کا وقار و معیار ختم کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ساتویں باب میں روئے سخن رضاخانی عوام کی طرف ہے لیکن اس سے پہلے کے ابواب میں بھی بسا اوقات محسوس ہوتا ہے کہ مصنف تمام قارئین کو رضاخانی تصور کرکے انھیں اپنی جرح و نقد کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ ایسا انداز اختیار کرنے سے کتاب کی افادیت میں بڑی کمی ہوجاتی ہے اور مصنف کو قارئین کی ہمدردیاں پورے طور پر حاصل نہیں ہو پاتیں۔

پائنیر ایسوسی ایشن بنگلور

بنگلور کے مسلم نوجوانوں کا دس سال پیشتر قائم کردہ یہ ادارہ اپنے اول دن سے برابر ترقی کر رہا ہے مسلم نوجوانوں کی دینی و اصلاحی تعلیم و تربیت میں منظم و منصوبہ بند طریقہ پر یہ ادارہ ہمیشہ فعال و متحرک رہا ہے اور اس ادارے کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں تسلسل کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ ادارہ دینی و اصلاحی ایک آزاد ادارہ ہے ، کسی مذہبی یا سیاسی تحریک و تنظیم سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے ، یہی وجہ ہے کہ بلا کسی تعصب و رعایت کے وہ اپنے اغراض و مقاصد کو روبعمل لا رہا ہے ، جدید تعلیمیافتہ اور ماڈرن سوسائٹی کے مسلم نوجوان اس ادارہ سے زیادہ تر استفادہ کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں ماڈرن سوسائٹی کے مسلم نوجوانوں کا یہ واحد قدیم ادارہ ہے جو خالص مذہبی بنیادوں پر منظم طریقہ سے سنجیدہ علمی و اصلاحی کام مسلسل کر رہا ہے۔

اس ادارہ کے مختلف شعبے ہیں جو اپنا کام دلچسپی اور لگن سے برابر سرانجام دے رہے ہیں ، اس کے اہم شعبوں میں ، اشاعتی شعبہ ، تعلیمی شعبہ اور تربیتی شعبہ ہے۔

اشاعتی شعبہ : اشاعتی شعبہ کے تحت اُس کا ایک انگریزی ماہنامہ شائع ہوتا ہے ، یہ ماہنامہ اپنے ۷ سال پورے کرچکا ہے ، یہ ماہنامہ " ینگ مسلم ڈائجسٹ " کے نام سے وقت کی پابندی سے شائع ہوتا ہے اور ہند و بیرون ہند اس کو کافی مقبولیت حاصل ہے جنوبی ہند میں بالخصوص یہ بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے ، عالمی دینی رسائل میں اس کے مضامین " شکریہ " کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں ، سرزمین ہند سے ، کسی مذہبی یا سیاسی ، تحریک و تنظیم کی سرپرستی اور تعاون کے بغیر محض اپنے اصول پر اور وسائل سے ہر ماہ پابندی سے شائع ہونے والا یہ واحد معیاری انگریزی ماہنامہ ہے۔ اس رسالہ کے مدیر نور محمد خالد اور اعزازی مدیر سید اقبال ظہیر ہیں۔

اشاعتی شعبہ کے تحت وقتاً فوقتاً دینی و اصلاحی کتابچے انگریزی میں شائع کئے جاتے ہیں ، ماہنامہ کے خریداروں کو یہ تحفۃً دئے جاتے ہیں اور یوں قیمتاً فروخت کئے جاتے ہیں۔

تعلیمی شعبہ : تعلیمی شعبہ کے تحت یومیہ اور ہفتہ وار تعلیمی کورس چلائے جاتے ہیں ، یومیہ عربی زبان پڑھائی جاتی ہے ، کالجوں کے طلباء اور تاجر و ملازم نوجوان اس کلاس میں داخلہ لیتے ہیں ، یومیہ قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور جو ناظرہ سے فارغ ہوچکے ہیں انھیں تجوید پڑھائی جاتی ہے۔ ہفتہ وار اتوار کو صبح ۷ سے ۱۱ بجے تک دینیات کا سبق اور مذاکرہ ہوتا ہے جس میں درس قرآن ، درس حدیث اور سیر صحابہ وغیرہ کے اسباق ہوتے ہیں۔

تعلیمی شعبہ ہی کے تحت ایک لائبریری ہے جس میں دینی و اصلاحی لٹریچر اردو اور انگریزی میں فراہم کیا گیا ہے ، نوجوان بڑی دلچسپی سے ان پروگراموں میں حصہ لیتے ہیں۔

تربیتی شعبہ : تربیتی شعبہ کے تحت نوجوانوں سے انفرادی اور اجتماعی طور پر میل ملاپ ، ملاقاتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے ، نوجوانوں بالخصوص مسلم طلباء سے تعارف اور رابطہ کی ہمیشہ کوشش رہتی ہے اور انھیں ادارے کے پروگراموں میں حصہ لینے کی برابر ترغیب دی جاتی ہے۔

تربیتی اس شعبہ کے تحت سالانہ ، شہر کے مضافات میں ، پُرفضا جگہوں پر سہ روزہ کیمپ کئے جاتے ہیں ، جن میں صوبہ کرناٹک اور بیرون سے نوجوان شریک ہوتے ہیں ، نظم و ضبط کے خیال سے شرکاء کی تعداد صرف ڈیڑھ سو رکھی جاتی ہے۔ صوبہ کرناٹک اور بیرون سے اہل علم و تقویٰ حضرات کو بحیثیت " مربی " مدعو کیا جاتا ہے ، مدعوئین میں بحیثیت مربی گذشتہ ماہ جون ۱۹۸۱ء کے کیمپ (واقع گنبد حضرت ٹیپوؒ) میں مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب قابل ذکر ہیں ، اس تربیتی کیمپ میں اُن نوجوانوں کو ترجیح دی جاتی ہے جو دعوتی کاموں اور مذہبی شخصیتوں بلکہ دینی ماحول ہی سے متوحش ، دور رہتے ہیں ـــــ اس ادارہ کا اپنا ایک قیمتی انگریزی پریس ہے ، جسمیں اپنے ماہنامہ کی طباعت کے علاوہ ، تجارتی کاروبار بھی ہوتا ہے ، پریس کے ملازمین کے علاوہ بقیہ تمام کارکن ادارے ممبر و رفقاء ہوتے ہیں جو اعزازی طور پر تفویض شدہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

اس ادارہ کی ایک مستقل رجسٹرڈ کمیٹی ہے ، اس کمیٹی کے صدر شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی ندوی ـــــ اور جنرل سکریٹری نور محمد خالد ہیں۔

مکتوب مدینہ منورہ

رحمتِ حق بہانہ می جوید بہانمی جوید

محمد صدر الحسن ندوی ، متعلم مدینہ یونیورسٹی

ہر انسان کے دل میں تمناؤں اور آرزوؤں کی ایک دنیا بسی ہوتی ہے اور جب وہ ان آرزوؤں بلکہ دل کی دھڑکنوں کو شرمندۂ تعبیر ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور اس کے سامنے وہ تمنائیں محسوس شکل میں اپنی تمام رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہیں تو انسان اپنے دل میں زندگی کی ایک نئی لہر اور حیات نو کے پیغام کی ایک جھلک محسوس کرتا ہے۔ ہر انسان کے دل میں تمنائیں مختلف شکل میں اٹھکیلیاں لیتی ہیں ، وہ جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جن افراد اور خاندان سے اس کی زندگی وابستہ ہوتی ہے اور جس ماحول کی چھاپ اس کے ذہن و دماغ پر پڑتی بلکہ گھر بنالیتی ہے وہ انہیں تمناؤں اور آرزوؤں کے جلو میں اپنے قافلۂ حیات کے ساتھ چلتا چلا جاتا ہے۔

علماء نفسیات (psychologists) کے درمیان اگرچہ اس امر میں اختلاف ہے کہ ماحول کے اثرات زیادہ گہرے ہوتے ہیں یا آبائی نقوش زیادہ دیرپا ، لیکن اس حقیقت کا سبھوں کو اعتراف ہے کہ ہیریڈیٹی اور انورنمنٹ دونوں انسان کے کردار و افعال اور طرز فکر میں محسوس یا غیر محسوس شکل میں جلوہ گر ہوتے ہیں ، یہ تو اسباب کی دنیا ہے ، اس لئے مسببات کے پیچھے اسباب ضرور ہوں گے ؎

حباب اٹھے گی سمندر سے تو امنڈے کی گھٹا
آسماں برسے گا جب اٹھے گی تب دولت زمیں

بچپن سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور ان کے فیوض و برکات کے واقعات سنتا رہا ہوں ، والدہ صاحبہ اکثر یہ شعر پڑھتی تھیں ؎

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تیری رحمت برستی ہے

جب والدہ صاحبہ یہ شعر پڑھتی تھیں تو دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی ، اور ہر بن مو سے یہ صدا آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی کہ کاش اس دیار کی زیارت نصیب ہوتی

اس کے بعد جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کی زندگی کا آغاز ہوا جس آغاز کو عہد آفریں اور پیام عہد نو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ، تو یہ آتش شوق تیز تر ہوگئی بلکہ اس کے در و دیوار اور سحر کن اور دلکش و دلربا ماحول نے اس کو دو آتشہ بنا دیا۔

اب مدینہ منورہ کی حاضری کی ساری کارروائیاں مکمل ہوچکی تھیں ، ۱۰ نومبر ۱۹۸۱ء مطابق ۱۵ محرم ۱۴۰۲ھ کو دہلی پالم ہوائی اڈہ سے ہماری پرواز تھی ، ایک دو گھنٹہ کی صبر آزما کارروائی کے بعد سیکورٹی سے باہر آئے ، بس ہمارے انتظار میں تھی ، ہم لوگ بس میں سوار ہوئے ، اب سعودی جہاز کا زینہ ہمارے سامنے تھا۔ زینہ پر عربی میں الطائرۃ السعودیۃ ترحب بکم (سعودی جہاز آپ حضرات کا خیر مقدم کرتا ہے) لکھا ہوا تھا۔ دل کا حال نہ پوچھئے ؎

کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

اب ۹ بج کر ۵۰ منٹ پر جہاز فضا میں تھا ، یا سلام یا سلام کی صدائیں دل کی گہرائیوں سے آنے لگیں ، اللّٰھم لاسھل الا ما جعلتہ سھلاً و انت تجعل الحزن سھلاً اذا شئت۔ ہمارا جہاز بادل سے ہزاروں فٹ کی بلندی پر تھا ، بادل ہمیں روئی کے گالے کی طرح معلوم ہو رہے تھے اور ہم خدا کی کاریگری اور اس کی صنعت کے آگے سر دھن رہے تھے۔ کبھی جہاز ہزاروں فٹ نیچے اترتا تھا اور کبھی اوپر ، ہم لوگ نشیب و فراز سے گذر رہے تھے اور زندگی کے نشیب و فراز کے ایک واضح تصور نے ہمیں اپنی آغوش میں لے رکھا تھا ، ہم یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ انسان کو زندگی کی طوفان خیز موجوں کے درمیان ایسے ہی نشیب و فراز سے واسطہ پڑتا ہے ، کبھی اس کے تخیلات کی پرواز فرشتوں کی گذرگاہ سے بھی پرے ہوتی ہے اور اقبال کی زبان میں یہ کہتا ہے ؎

ذکر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

اور کبھی وہ ایسی سطح پر آجاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ انسانی زندگی کا قافلہ بھی صبا رفتار بلکہ برق رفتار ہوتا ہے ، جس طرح جہاز ہوا کے دوش پر اپنے سفر کی کٹھن منزلیں طے کرتا ہے اسی طرح انسان کی ہر منزل دشوار گذار اور پُرخار وادیوں . . . . سے گزرتی ہے جہاں تصورات انسانی کی پہونچ مشکل ہوتی ہے۔

خدا خدا کر کے ریاض ایرپورٹ پر پہونچے ، گھڑی سوا دو بجا رہی تھی یہ ہندوستانی وقت تھا سعودی وقت کے مطابق ۱۱½ بج رہے تھے۔ چیک پوسٹ سے فراغت کے بعد باہر آئے۔ اب مدینہ منورہ کے لئے فلائٹ لینی تھی۔ ریاض سے مدینہ منورہ کے لئے سعودی وقت کے مطابق پونے تین بجے اور ہندوستانی وقت کے مطابق پونے پانچ بجے پرواز تھی۔ مدینہ منورہ ایرپورٹ پر سعودی وقت کے مطابق ۴ بجکر دس منٹ پر پہونچے ، محبان گرامی مولانا نعمت اللہ صاحب ندوی اور مولانا ظہیر صاحب اعظمی ندوی ایرپورٹ پر ہم لوگوں کو ریسیو کرنے کے لئے موجود تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد انکی قیام گاہ پر شارع قربان پہونچے ، راستہ میں جنت البقیع پر نظر پڑی صحابۂ کرام کی یاد تازہ ہوگئی ، اور صحابۂ کرام کے خلوص و ایثار ، سادگی و پاکبازی خوف الٰہی ، یقین محکم ، عمل پیہم اور ان کی خطا پوشی و کریمی کے واقعات ذہن میں پھرنے لگے ؎

ان کی امیدیں قلیل ان کے مقاصد جلیل
ان کی ادا دلفریب ان کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم پاک دل و پاکباز

مغرب کے بعد حرم نبویؐ میں حاضری ہوئی ، دور ہی سے گنبد خضرا سے آنکھیں چار ہوئیں ، دل قابو میں نہ رہا ، اپنے محبین (مولانا ظریف احمد صاحب انبالوی ندوی ، مولانا صلاح الدین صاحب ندوی ، مولانا نعمت اللہ صاحب ندوی ، مولانا ظہیر صاحب ندوی ، مولانا اقبال صاحب گجراتی ندوی) کے ساتھ باچشم نم و بادل پُرغم مسجد نبوی میں حاضری ہوئی۔ اس کی روح پرور نشاط انگیز اور سحر کن فضا میں کھو سا گیا ، عجیب سماں تھا ، مختلف ممالک و علاقوں کے لوگ خدا کے حضور سربسجود تھے دل پر گریہ کی کیفیت طاری ہوئی اور اپنی ذات پر تدرے رشک بھی آیا ، لیکن ع

ایاز قدر خود بشناس

میں اپنی ذات سے خوب واقف ہوں ، میں اس لائق نہ تھا کہ اس مقدس مقام کی زیارت سے مشرف ہوتا لیکن اس کو کیا کیجئے کہ ع

رحمت حق بہانہ جوید بہانمی جوید

وہ کسی کے سر پر تاج خسروی رکھتا ہے اور کسی پر عرصۂ حیات کو تنگ کردیتا ہے ، کسی کے دامن مراد کو لالہ و گل کے ہار سے سجاتا ہے اور کسی کی قسمت کو صحرا نوردی و زبوں حالی سے وابستہ کردیتا ہے ، وہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے دور کردیتا ہے ، وہ اپنے خوان کرم کو وسیع کرتا ہے تو اسکے گنہگار و نابنجار بندے بھی شکم سیر ہوتے ہیں اور دامن ابر کرم کو سمیٹ لیتا ہے تو اس کے نیک بندوں کی زبان سے بھی صدائے العطش العطش آنے لگتی ہے ؎

داد او را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد اوست

اس کے بعد بصد ادب و احترام دربار نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام میں حاضر ہوا۔ گنبد خضرا کی قسمت پر بڑا رشک آیا اور دل سے یہ صدا آنے لگی ؎

اے گنبد خضرا ترے جلووں کے تصدق
تو بارگاہ خاص رسول عربی ہے

اے گنبد خضرا کے مکین تیرا ایک گنہگار غلام تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہے اور صلاۃ و سلام کا نذرانۂ عقیدت تیرے حضور پیش

کرتا ہے، اس لائق تو نہیں کہ تیرا نام نامی اس ناپاک زبان سے لوں ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

میں کسی لائق نہیں محض تیرا لطف و کرم اس مقام تک لایا ہے ورنہ قدم اٹھاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا کہ بارگہِ نبوی ؐ ہے اور میں ؎

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

درود وسلام کے بعد دل بھر آیا، اور آنکھوں سے اشک کے موتی قدسی کے اشعار بن بن گرنے لگے ؎

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی
ماہمہ تشنہ لبانیم وتوئی آب حیات
رحم فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی
عاصیانیم زمانیکی اعمال مپرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی
سیدی انت حبیبی وطبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

حرم شریف سے سات آٹھ کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے جامعہ اسلامیہ پہونچے یہ ہماری آخری منزل تھی۔ اب داخلہ کی کارروائی شروع ہوئی، مختلف صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا۔ کاغذات کی خانہ پُری میں ہونٹ خشک ہونے لگے کارروائی کے دوران ندوہ کی زندگی کا احساس شدید تر ہو رہا تھا، وہاں کی دنیا اس دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ آسانی سے چند لمحوں میں سبکدوش ہوجاتے تھے لیکن یہاں کئی دن لگ گئے۔ اب کلیہ کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ مشورہ میں ہر کلیہ میں کچھ اچھی چیزیں نظر آئیں، لیکن کلیۃ اللغۃ العربیۃ اور کلیۃ الشریعۃ کی اہمیت کی بناء پر ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ مختلف اسباب کی بناء پر خدا کا نام لیکر کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ مناسب سمجھا۔ محب گرامی مولانا ظریف صاحب ندوی انبالوی نے بھی اسی کلیہ کا انتخاب کیا۔ اسی سہ رکنی وفد کے تیسرے رکن محب گرامی مولانا صلاح الدین صاحب ندوی نے بھی اسی کلیہ کا انتخاب کیا۔

محب گرامی مولانا رضوان صاحب ندوی لکھنوی کے ساتھ مسجد نبوی میں حاضری ہوئی کئی روز سے مسجد نبوی کی حاضری سے مشرف ہو رہا تھا لیکن اس کے اندرونی مقامات کے سمجھنے میں دشواری ہو رہی تھی، مولانا رضوان صاحب ندوی نے خود اس بات کی پیش کش کی۔ انھوں نے بتایا کہ مسجد نبوی ؐ جو موجودہ شکل میں ہے ترکی سلطان کی بنوائی ہوئی ہے، اس میں جو ستون نصب ہیں ان میں سے ہر ستون میں ۷ ٹن لوہا موجود ہے۔ جب موجودہ سعودی حکومت نے مسجد میں توسیع کی تو ترکوں کے تعمیر کردہ حصہ کو توڑ کر نئے سرے سے بنانے کا منصوبہ تیار کیا، لیکن فن تعمیرات کے ماہرین نے حکومت کو مشورہ دیا کہ اس کی تعمیر اتنی مضبوط اور پختہ ہے کہ اس کو توڑنا بہت ہی مشکل ہے، اور اس میں شک ہے کہ توڑنے کے بعد اس سے زیادہ مضبوط بنائی جاسکے۔ تقریباً پانچ سو سال اس کی تعمیر پر گزر چکے ہیں لیکن اس پر آج بھی نئی تعمیر کا دھوکا ہوتا ہے۔ ترکوں کے اس فن تعمیر کی خصوصیت یہ ہے کہ ستونوں پر جا بجا ایسے نشانات بنا دئے گئے ہیں جو اپنے اندر پوری تاریخ سموئے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مربد سہل وسہیل لیکر جہاں مسجد نبوی ؐ کی بنیاد ڈالی، اس کے حدود اربعہ کیا تھے، پھر آپ نے توسیع فرمائی تو وہ کہاں تک پہونچی، پھر توسیع فرمائی تو اس کی وسعت کہاں تک پہونچی، پہلی مسجد کی نشاندہی وہ کالے نشانات کرتے ہیں جو گول ہیں اور ہر ستون پر نصب ہیں، دوسری توسیع کی طرف پھول جیسے سنہرے گول نشانات اشارہ کرتے ہیں جو ہر ستون پر بنے ہوئے ہیں، اور تیسری توسیع کی علامت کے طور پر ہر کھمبے پر "حد مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" لکھ دیئے گئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی ؐ کے یہی حدود تھے اس کے بعد داہنے ہاتھ کی جانب جدھر باب السلام ہے حضرت عمر رضؓ نے اضافہ فرمایا ہے اب یہ مسجد نبوی ؐ کی آخری حد ہے۔ جنوب کی جانب جدھر قبلہ ہے حضرت عثمان رضؓ نے توسیع فرمائی ہے۔ یہ بھی جنوب کی جانب مسجد نبوی ؐ کی آخری حد ہے۔ شمال کی طرف ترکوں کے اضافے ہیں۔ اس کے بعد سعودی حکومت نے توسیع کی ہے اور یہ مسجد نبوی کی آخری حد ہے۔ مغرب کی جانب باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان خوخہ ابوبکر صدیق رضؓ ہے۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے منبر اور حجرہ (روضۂ اطہر) کے درمیان روضۃ من ریاض الجنۃ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، ترکوں نے اس کو ممتاز کرنے کے لئے اس کے ستونوں کے نصف زیریں حصوں کو سفید رکھا ہے۔ مسجد کے باقی ستون عُنّابی ہیں۔ اسی روضہ سے بالکل متصل حضرت عائشہ رضؓ کا حجرہ تھا۔ آپ ؐ کی قبر اطہر اسی حجرہ میں ہے، قبر اطہر کے چاروں طرف مضبوط دیواریں بنادی گئی ہیں اور اس کے دروازے مقفل رہتے ہیں۔ اندرونی دیوار پر کپڑے کے پردے پڑے ہوئے ہیں جو ہرے رنگ کے ہیں، اس کی بیرونی دیوار جو بہت ہی مضبوط ہے اس میں پیتل کی جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ باہر سے صرف ہرے رنگ کے پردے نظر آتے ہیں۔ باہر سے روضۂ اطہر کو دیکھنا ممکن نہیں، لیکن اس سے آتشِ شوق کو تسکین ملتی ہے۔ مشرق کی جانب باب جبریل ؑ ہے، اسی راستے سے حضرت جبرئیل ؑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ باب جبریل ؑ سے چند قدم کے فاصلہ پر اسی سمت میں شمال کی جانب باب النساء ہے، اس دروازہ سے عورتیں مسجد نبوی میں آتی ہیں۔ باب النساء کے سامنے ایک گلی ہے، یہ وہی گلی ہے جس سے حضرت عائشہ رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں بقیع تک گئی تھیں۔ روضۂ اطہر سے متصل حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی قبر ہے۔ آپ ؐ کے داہنی طرف سینہ کے پاس حضرت ابوبکر رضؓ کا سرہانہ ہے اور حضرت ابوبکر رضؓ کے سینہ کے پاس حضرت عمر رضؓ کا سرہانہ ہے۔

مسجد نبوی ؐ میں حضرت عثمان رضؓ کے اضافہ کردہ حصہ سے روضۂ اطہر قریب ہے۔ روضۂ مطہر کے سمت میں نشاندہی کے طور پر پیتل کی ایک مسطح چوکور چھوٹی سی چادر ہے۔ یہی مواجہ شریف ہے۔ اور زائرین یہیں کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ روضۂ اطہر کے شمال کی جانب تھوڑے سے فاصلہ سے مسجد نبوی ہی میں سطح زمین سے بلند ایک مقام ہے، جہاں اصحاب صفہ بیٹھا کرتے تھے، وہاں زائرین کثرت سے بیٹھتے اور عبادت وتلاوت اور تضرع ودعا میں مشغول رہتے ہیں۔ روضۂ اطہر کے اوپر گنبد بنا ہوا ہے جو سبز ہے اور اس پر نظر پڑتے ہی عشاق پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اس کی زیارت کی گھڑیوں کو زندگی کے ان قیمتی ترین لمحات میں سے تصور کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو نوازتا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو یہ تو اس ذات کی زیارت ہے جس کے احسانات سے پوری انسانیت کا سر جھکا ہوا ہے۔ اور کوئی بھی انسان ان احسانات سے سبکدوش نہیں ہوسکتا ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اور یہ لمحات قیمتی کیوں نہ ہوں، خود ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں، اس سعادت پر دنیا کی دولتیں قربان۔ ساری دنیا گنوا کر بھی یہ سعادت حاصل ہوجائے تو ارزاں ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

باب جبریل ؑ سے نکل کر حرم نبوی کے جنوب مشرق کونے کے سامنے سڑک پار کر کے ہم لوگ ایک مکان کے پاس پہونچے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کا مکان تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں انھیں صاحب بخت کے مہمان رہے۔ میزبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر قسطنطنیہ میں ہے اور زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

یہ حرم نبوی ؐ کا باب الرحمۃ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سخت قحط پڑا، فصلیں برباد ہونے لگیں، جانور مرنے لگے، حالات سخت سے سخت تر ہوتے جارہے تھے، بارش کا نام ونشان نہیں تھا۔ ایک بدو مسجد نبوی ؐ میں آتا ہے، جمعہ کا دن ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ بیتی اور جگ بیتی سناتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں، مسلسل ایک ہفتہ تک بارش ہوتی ہے پھر دوسرے ہفتہ وہ بدو آتا ہے اور بارش کی کثرت کی شکایت کرتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں اور بارش رک جاتی ہے، چونکہ یہ بدو مسجد نبوی میں اسی حصہ سے داخل ہوا تھا اور رحمت کا سبب بنا تھا اس لئے اس کو باب الرحمۃ کہتے ہیں۔ باب الرحمۃ باب سعود اور خوخہ ابوبکر رضؓ کے درمیان واقع ہے۔

حرم نبوی ؐ کے باہر باب جبرئیل سے جنوب کی جانب مسجد نبوی ؐ کے بیرونی احاطہ میں روضۂ اطہر سے قریب سطح زمین سے نصف فٹ بلند چھوٹا سا چوکھٹا حصہ ہے، یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت کا امین ہے جس کو سنکر ہر مسلمان انگشت بدنداں اور لرزہ براندام ہوجاتا ہے، اس پر ایک بے خودی اور بدحواسی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوابوں کی دنیا کی سیر کر رہا ہے، ایسا بے نظیر روح فرسا، جانکاہ، غمناک و اندوہناک واقعہ۔ تاریخ عالم کے صفحات ہزاروں ایسے واقعات سے پُر ہیں جن کی رنگ آمیزی مورخین نے اپنے خونِ جگر سے کی ہے اور اس کے نوکِ قلم سے الاماں الاماں، الحفیظ الحفیظ کی صدائیں نکلتی ہیں اور پڑھنے والوں کی آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں لیکن یہ شاید دنیا کا عظیم ترین سانحہ تھا۔

جنۃ البقیع جو حرم نبوی ؐ سے تقریباً ایک فرلانگ کی دوری پر واقع ہے، وہاں ترکوں کے عہد خلافت میں جب حرمین شریفین ان کی تولیت میں تھے، یہودیوں نے سازش کی اور ایک نہایت ہی خطرناک منصوبہ بنایا۔ منصوبہ یہ تھا کہ سرنگ کے ذریعہ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو نکال لیا جائے۔ اس کے لئے دو یہودیوں نے جنۃ البقیع میں خیمہ نصب کیا اور اسلامی طریقہ کے مطابق عبادت وتلاوت اور ذکر وشغل میں مشغول رہنے لگے، دنیا سے بے تعلق ہو کر ہر وقت آخرت کی فکر میں سرگرداں رہتے، لیکن یہ ساری باتیں مصنوعی تھیں، ان کی منصوبہ بندی کچھ اور تھی، اس ذکر وشغل سے انھوں نے لوگوں کو یہ باور کرادیا کہ ان کا مقصد محض اس مقدس دیار کی برکتوں سے دامن مراد کو بھرنا اور دربار خداوندی میں جبہ سائی اور رکوع وسجود ہے۔

اب انھوں نے منصوبہ پر عمل درآمد شروع کیا، رات کا سکون جو محمد کے حضور آتشِ قلب کو جلا بخشنے، تیغ خودی کو سانِ لا الٰہ الا اللہ پر صیقل کرنے، قول میں رنگ عمل بھرنے، لب خاموش کے بدلے دل گویا، غم امروز کے بجائے غم فردا سے خاتم دل جڑنے، دل دیوانہ وسودائی وشیدا کی تمناؤں میں مر مٹنے اپنی مقدس پیشانی کو قرب خداوندی کے حصول میں خاک آلود اور عرق ریز کرنے کے لئے تھا، انھوں نے اس کا ایک نیا مصرف نکالا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اپنے قلب کو گداز کر کے اپنے دل کی دنیا بساتے لیکن انھوں نے زمین کو گداز کرنا شروع کیا اور اس طرح نقب زنی کرتے ہوئے وہ اس مقام تک پہونچ گئے جس طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے، یعنی جسد اطہر سے چند گز کے فاصلہ تک پہونچ گئے۔ ترکی سلطان کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ناپاک عزائم سے سلطان کو خبردار کیا، خواب میں ان دونوں یہودیوں کی صورت بھی دکھلائی گئی، اس خواب نے سلطان کے حواس گم کردئے اور وہ مدینہ منورہ پہنچا اور شاہی فرمان جاری کر کے سارے اہل مدینہ کی دعوت کی تاکہ مطلوبہ اشخاص کی شناخت ہوسکے، لیکن وہ لوگ نظر نہیں آئے، سلطان نے پوچھا کہ پورا شہر دعوت میں شریک ہوا ہے یا کوئی نہیں آسکا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ جنۃ البقیع میں دو بزرگ ہیں جو عبادت وذکر میں مشغول رہتے ہیں، حتی الامکان لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں، خلوت کے دلدادہ ہیں جلوت سے گریز کرتے ہیں، اور کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے، بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو بھی بلایا جائے، وہ لوگ آئے، بادشاہ کو خواب میں جو شکل دکھائی گئی تھی وہ انھی دونوں بزرگوں کی تھی، انھیں فوراً گرفتار کرلیا گیا، پھر ان کے خیمے کی تلاشی لی گئی، رازہائے سربستہ فاش ہوگئے اور ان کو قتل کردیا گیا، اس طرح یہ سازش ناکام ہوئی، اس کے بعد سلطان نے روضہ مبارک کی طرف خصوصی توجہ کی، اور اس کے چاروں طرف بہت گہری سطح تک سیسہ پلادیا گیا، اور آج تک الحمدللہ جسد اطہر محفوظ ہے۔

جسد اطہر کے جنوب مغرب کی جانب چند قدم کے فاصلہ پر فرش پر نشان بنا ہوا ہے یہ نشان بہت ہی عبرت خیز اور حیرت انگیز واقعہ یاد دلاتا ہے اور ایک مسلمان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، واقعہ یہ پیش آیا کہ شرپسند عناصر نے سازش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر مبارک سے نکال لیا جائے اور اس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے وہ لوگ اس مقام تک پہونچ گئے جہاں یہ نشان بنا ہوا ہے، یہ لوگ اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ ہماری سازش کامیاب ہوگئی لیکن مالک کائنات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "واللہ یعصمک من الناس" کا مژدہ جانفزا سنا چکا تھا، کیا وہ اس سے غافل تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جب کوئی منصوبہ بناتا ہے اور اس کے پاس اس کے وسائل ہوتے ہیں، پھر باصلاحیت افراد اور اچھی پلاننگ ہوتی ہے، تو انسان اپنی اس تصوراتی دنیا میں ایسا کھوتا ہے کہ خدا کو فراموش کردیتا ہے اور اس کے حرکات وسکنات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ یکسر آزاد وخود مختار ہے، حالانکہ زمام خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے، یہ لوگ اس مقام تک پہونچے اور انسانی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ سازش اب کامیاب ہوگئی، لیکن ملائکہ انگشت بدنداں تھے، سارا عالم سکرات سے دوچار تھا، کائنات کی ہر شئی یہ کہہ رہی تھی کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت کو پامال کیا جائے گا، کیا آج اس ذات کی بے حرمتی کی جائے گی جس کے صدقہ ہر مسلمان کو عزت وسطوت ملی ہے، جس کے صدقہ دنیا کی قسمت جاگی اور سارا عالم رشک سرو چمن اور ساری کائنات زعفران زار بن گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی آنکھیں ظاہر بین ہوتی ہیں، وہ صرف انھیں چیزوں کا ادراک کرسکتی ہیں جو محسوسات کے دائرہ میں آتی ہیں، غیر مرئی اور غیر محسوس اشیاء کا ادراک انسانی قدرت سے پرے ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو آتش نمرود میں ڈالا گیا تو ظاہر بین عقل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور تھی کہ نمرود اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوگیا۔

لیکن اس کی یہ سازش ناکام ہوئی اور یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراہیم کے روح پرور اور عطر بیز جھونکے چلے اور آتش نمرود آغوش لالہ وگل بن گئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اروحی فداہ آغوش قبر میں آرام فرما تھے لیکن رب محمد اس روح فرسا واقعہ کو دیکھ رہا تھا۔ سکانِ زمین کی اس گستاخی پر آتش غضب جوش میں آئی اور وہ لوگ وہیں زمین دوز ہوگئے ؎

کناطح صخرۃً یوماً لیوھنھا
فلم یضرھا واوھی قرنہ الوعل

مسجد نبوی ؐ کا روح پرور منظر یوں بھی جاذب قلب ونظر ہوتا ہے لیکن جمعہ کے دن یہ دو بالا ہوجاتا ہے مختلف ممالک کے لوگ مختلف لباس میں ملبوس ہو کر دوگانہ ادا کرنے آتے ہیں، ہر ایک اپنے خدا کے حضور سجدہ ریزی کے لئے بے تابانہ رواں دواں ہے، زندگی کی ایک نئی لہر طلب نظر میں موجزن ہے، ہر شخص تلاوت میں مشغول ہے، مختلف لے اور ترنم میں کتاب اللہ کی تلاوت ہو رہی ہے، آج چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی آئے، وہ بھی خدا کے روبرو جبین نیاز جھکائے ہوئے ہیں، قدسیان عرش بھی ان معصوم بچوں کی ادا پر رشک کر رہے ہوں گے، اب ۱۲ (استوی کے وقت) بج چکے ہیں، حرم نبوی سے اذان کی صدا بلند ہوئی ہے۔ یہ کیسی دلفریب سحر نواز آواز ہے، معلوم ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں حضرت بلال رضؓ اپنی سحر کن لے میں محو اذان ہیں۔ اب امام کے دلپذیر خطبہ کے لئے مسجد کے در وبام ہمہ تن گوش ہیں۔ امام کہتا ہے، حضور اکرم ؐ کا ارشاد گرامی ہے، دل مختلف کیفیات کے ہالہ میں گھر جاتا ہے، دنیا کے ہر گوشے سے قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند ہوتی ہیں لیکن وہاں صاحب کلام موجود نہیں ہوتا۔ آج حدیث پڑھی جارہی ہے اور خود صاحب کلام اس سے محظوظ ہو رہا ہے۔ اس تصور سے دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔